رجسٹرڈ ایل ۳۰۳

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ بابت مئی سنہ ۱۹۰۳ء نمبر ۵

فہرست مضامین

ضرورت قرآن ۱۷۷

حضرت مسیح کا دس گمشدہ اسرائیلی قوموں کیطرف جانا ۱۹۰

نوٹ اور ریویو ۲۰۵

اعلیٰ طبقہ کے عیسائی محققین اور پادری ۲۰۵

روح اللہ ۔ ۲۰۷

گذشتہ دس سال میں مسلمانوں کی ہندمیں ترقی ۔ ۲۰۸

حضرت مسیح کی قبر ۔ ۲۰۹

انجمن اشاعت اسلام قادیان دارالامان نے

انوار احمدی پریس قادیان میں باہتمام شیخ یعقوب علی احمدی تراب چھپوا کر ۲۰ مئی سنہ ۱۹۰۳ء کو شایع کیا

چندہ سالانہ معمولی کاغذ پر عہ ۔ اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر ۔

www.aaiil.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ضرورت قرآن

عیسائی اور دیگر مخالفین مذہب اسلام کی طرف سے اکثر اوقات یہ سوال ہوتا ہے کہ جس صورت مین توحید کا مسئلہ توریت کے ذریعہ دنیا پر روشن ہو چکا تھا تو پھر قرآن شریف کی کیا ضرورت تھی یا مثلاً یہودیوں کیلئے جنکی کتاب توحید سکھلاتی ہے کیا ضرورت تھی کہ وہ قرآن شریف کی پیروی کرین جب کہ اسلام کا مقصد بھی سوائے توحید کیطرف آدمیوں کو بلانے کے اور کچھ نہین تھا اس سوال کے جواب مین یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیوقت مین یہودی توریت کی ہدایتوں سے بہت دور جا پڑے تھے - اگر یہ سچ ہے کہ اُنکی کتابون مین توحید باری تعالیٰ تھی مگر وہ اس توحید سے متنفع نہین ہوتے تھے - اور وہ علت غائی جس کیلئے انسان پیدا کیا گیا اور کتابین نازل ہوئین اس کو کھو بیٹھے تھے حقیقی توحید یہ ہے کہ خدا کی ہستی کو مانکر اور اُس کی وحدانیت کو قبول کرکے پھر اس کامل اور محسن خدا کی اطاعت اور رضا جوئی مین مشغول ہونا اور اُسکی محبت مین کھوئے جانا - سو عملی طور پر یہہ توحید ان مین باقی نہین رہی تھی - اور خدا تعالےٰ کی عظمت اور جلال اُنکے دونہر سے اُٹھ گئی تھی وہ لبوں سے خدا خدا پکارتے تھے مگر دل اُنکے شیطان کے پرستار ہو گئے تھے اور اُنکے سینے دنیا پرستی اور دنیا طلبی اور مکر اور فریب مین حد سے زیادہ بڑھ گئے تھے - اُن مین درویشون اور راہبوں کی پوجا ہوتی تھی - اور سخت قابل شرم اور بے حیائی کے کام ان مین ہوتے تھے - ریاکاریان بڑھ گئی تھین - مکاریان زیادہ ہو گئی تھین - اور ظاہر ہے کہ توحید صرف اس بات کا نام نہین کہ مونہہ

سے لا الٰہ الا اللہ کہیں اور دل میں ہزاروں بت جمع ہوں بلکہ جو شخص کسی اپنے کام اور مکر فریب اور تدبیر کو خدا کی سی عظمت دیتا ہے یا کسی انسان پر ایسا بھروسہ رکھتا ہے جو خدا تعالےٰ پر رکھنا چاہیے یا اپنے نفس کو وہ عظمت دیتا ہے جو خدا کو دینی چاہئے ان سب صورتوں میں وہ خدا تعالےٰ کے نزدیک بت پرست ہے۔ بت وہی نہیں ہیں جو سونے چاندی یا پیتل یا پتھر وغیرہ سے بنائے جاتے اور اُن پر بھروسہ کیا جاتا ہے بلکہ ہر ایک چیز یا قول یا فعل جس کو وہ عظمت دی جائے جو خدا تعالےٰ کا حق ہے وہ خدا تعالےٰ کی نگہ میں بت ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ توریت میں اس باریک بت پرستی کی تصریح نہیں ہے مگر قرآن شریف ان تصریحات سے بھرا پڑا ہے۔ سو قرآن شریف کو نازل کر کے خدا تعالےٰ کا ایک یہ بھی منشاء تھا کہ یہ بت پرستی بھی جو دق کی بیماری کی طرح لگی ہوئی تھی لوگوں کے دلوں سے دور کرے۔ اور اس زمانہ میں یہودی اِس قسم کی بت پرستی میں غرق تھے اور توریت ان کو چھوڑا نہیں سکتی تھی اس لئے کہ توریت میں یہ باریک تعلیم نہیں تھی۔ اور نیز اس لئے کہ یہ بیماری جو تمام یہودیوں میں پھیل گئی تھی ایک پاک توحید کے نمونہ کو چاہتی تھی جو زندہ طور پر ایک کامل انسان میں نمودار ہو۔

یاد رہے کہ حقیقی توحید جسکا اقرار خدا ہم سے چاہتا ہے اور جسکے اقرار سے نجات وابستہ ہے یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کو اپنی ذات میں ہر ایک شریک سے خواہ بت ہو خواہ انسان ہو خواہ سورج ہو یا چاند ہو یا اپنا نفس یا اپنی تدبیر اور مکر اور فریب ہو **منزہ سمجھنا** اور اس کے مقابل پر کوئی قادر تجویز نہ کرنا کوئی رازق نہ ماننا کوئی مُعِزّ اور مُذِلّ خیال نہ کرنا کوئی ناصر اور مددگار قرار نہ دینا اور دوسرے یہ کہ اپنی محبت اسی سے خاص کرنا۔ اپنی عبادت اُسی سے خاص کرنا۔ اپنا تذلل اسی سے خاص کرنا اپنی امیدیں اسی سے خاص کرنا۔ اپنا خوف اسی سے خاص کرنا۔ پس کوئی توحید بغیر ان تین قسم کی تخصیص کے کامل نہیں ہو سکتی۔ اوّل ذات کے لحاظ سے توحید یعنی یہ کہ اس کے وجود کے مقابل پر تمام موجودات کو معدوم کی طرح سمجھنا۔ اور تمام کو ہالکۃ الذات اور باطلۃ الحقیقت خیال کرنا۔ دوم صفات کے لحاظ سے توحید یعنے یہ کہ ربوبیت اور الوہیت کی صفات بجز ذات باری کسی میں قرار نہ دینا۔ اور جو بظاہر ربّ الانواع یا فیض رساں نظر آتے ہیں یہ اسی کے ہاتھ کا ایک نظام یقین کرنا۔ تیسرے اپنی

محبت اور صدق اور صفا کے لحاظ سے توحید - یعنے محبت وغیرہ شعار عبودیت مین دوسرے کو خدا تعالیٰ کا شریک نہ گردانا - اور اسی مین کھوئے جانا - سو اس توحید کو جو تینوں شعبوں پر مشتمل اور اصل مدار نجات ہی یہودی لوگ کھو بیٹھے تھے - چنانچہ انکی بدچلنیاں اس بات پر صاف گواہی دیتی تھین کہ اُن کے لبون پر خدا کے ماننے کا دعوے ہے مگر دل مین نہین - جیسا کہ قرآن خود یہود و نصاریٰ کو ملزم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر یہ لوگ توریت اور انجیل کو قایم کرتے تو آسمانی رزق بھی انھین ملتا اور زمینی بھی - یعنے آسمانی خوارق عادت اور قبولیت دعا اور کشوف اور الہامات جو مومن کی نشانیان ہین اُن مین پائی جاتین جو آسمانی رزق ہے - اور زمینی رزق بھی ملتا مگر اب وہ آسمانی رزق سے بکلی بے نصیب ہین اور زمین کا رزق بھی روبحق ہوکر نہین بلکہ روبہ دنیا ہوکر حاصل کرتے ہین - سو دونوں رزقون سے محروم ہین -

رہا یہ سوال کہ یہودیون کو مسلمان ہونے کی کیا ضرورت تھی وہ تو پہلے سے موحد تھے ؟ اس کا جواب ہم ابھی دے چکے ہین کہ توحید یہودیون کے دلون مین قایم نہ تھی صرف کتابون مین تھی اور وہ بھی ناقص - سو توحید کی زندہ روح حاصل کرنے کی ضرورت تھی - کیونکہ جب تک توحید کی روح انسان کے دل مین قائم نہ ہو تب تک نجات نہین ہوسکتی - یہودی مُردون کیطرح تھے اور بباعث سخت دلی اور طرح طرح کی نافرمانیون کے وہ زندہ روح اُن مین سے نکل چکی تھی اُنکو خدا کے ساتھ کچھ بھی میلان باقی نہین رہا تھا اور توریت بباعث نقصان تعلیم اور نیز بوجہ لفظی اور معنوی تحریفون کے اس لایق نہین رہی تھی جو کامل طور پر رہبر ہوسکے اِس لئے خدا نے زندہ کلام تازہ بارش کیطرح اُتارا اور اس زندہ کلام کیطرف انکو بُلایا تا وہ طرح طرح کے دھوکون اور غلطیون سے نجات پاکر حقیقی نجات کو حاصل کرین - سو قرآن کے نزول کی ضرورتون مین سے ایک یہ تھی کہ تا مردہ طبع یہودیونکو زندہ توحید سکھائے اور دوسرے یہ کہ تا اُنکی غلطیون پر اُنکو متنبہ کرے - اور تیسرے یہ کہ تا وہ مسائل کہ جو توریت مین محض اشارہ کیطرح بیان ہوئے تھے جیسا کہ مسئلہ حشر اجساد اور مسئلہ بقاء روح اور مسئلہ بہشت اور دوزخ ان کے مفصل حالات سے آگاہی بخشے -

یہ بات سچ ہے کہ سچائی کی تخم ریزی توریت سے ہوئی اور انجیل سے اس تخم نے ایک آیندہ کی بشارت دینے والے کیطرح مُنہ دکھلایا - اور جیسے ایک کھیت کا سبزہ پوری صحت اور عمدگی سے نکلتا ہے اور بزبان حال خوش خبری

دیتا ہے کہ اس کے بعد اچھے پھل اور اچھے خوشے ظہور کرنیوالے ہین ایسا ہی انجیل کامل شریعت اور کامل رہبر کیلئے خوشخبری کیطور پر آئی اور فرقان ہی وہ تخم اپنے کمال کو پہونچا جو اپنے ساتھ اس کامل نعمت کو لایا جسنے حق اور باطل مین بکلی فرق کرکے دکھلایا اور معارف دینیہ کو اپنے کمال تک پہونچایا جیسا کہ توریت مین پہلے سے لکھا تھا کہ "خدا سینا سے آیا اور سعیر سے طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے اُنپر چمکا" !!!

یہ بات بالکل ثابت شدہ امر ہے کہ شریعت کے ہر ایک پہلو کو کمال کیصورت مین صرف قرآن نے ہی دکھلایا ہے - شریعت کے بڑے حصے دو ہین - حق اللہ - اور حق العباد - یہہ دونوں حصے صرف قرآن شریف نے ہی پورے کئے ہین - قرآن کا یہ منصب تھا کہ وحشیوں کو انسان بناوے اور انسان سے با اخلاق انسان بناوے اور با اخلاق انسان سے باخدا انسان بنائے - سو اس منصب کو اُس نے ایسے طور سے پورا کیا کہ جس کے مقابل پر توریت ایک گونگے کیطرح ہے -

اور منجملہ قرآن کیضرورتون کے ایک یہ امر بھی تھا کہ جو اختلاف حضرت مسیح کی نسبت یہود اور نصاریٰ مین واقع تھا اُسکو دور کرے - سو قرآن شریف نے اِن سب جھگڑوں کا فیصلہ کیا - جیسا کہ قرآن شریف کی یہ آیت یٰعِیسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ الخ - اسی جھگڑے کے فیصلے کے لئے ہے - کیونکہ یہودی لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ نصارے کا نبی یعنے مسیح صلیب پر کھینچا گیا - اس لئے موافق حکم توریت کے وہ لعنتی ہوا اور اس کا رفع نہیں ہوا - اور یہ دلیل اس کے کاذب ہونے کی ہے" اور عیسائیوں کا یہ خیال تھا کہ لعنتی تو ہُوا مگر ہمارے لئے اور بعد اُس کے لعنت جاتی رہی اور رفع ہوگیا - اور خدا نے اپنے دہنے ہاتھ اس کو بٹھالیا - اب اس آیت نے یہ فیصلہ کیا کہ رفع بلا توقف ہوا نہ یہودیوں کے زعم پر دائمی لعنت ہوئی جو ہمیشہ کے لئے رفع الی اللہ سے مانع ہے اور نہ نصارے کے زعم پر چند روز لعنت رہی اور پھر رفع الی اللہ ہوا بلکہ وفات کے ساتھ ہی رفع الی اللہ ہوگیا - اور انہی آیات مین خدا تعالیٰ نے یہ بھی سمجھا دیا کہ یہ رفع توریت کے احکام کے مخالف نہین - کیونکہ توریت کا حکم عدم رفع اور لعنت اُس حالت مین ہے کہ جب کوئی صلیب پر مارا جائے - مگر صرف صلیب کے چھونے یا صلیب پر کچھ ایسی تکلیف اٹھانے سے جو موت کی حد تک نہین پہونچتی لعنت لازم نہین آتی اور نہ عدم رفع لازم آتا ہے - کیونکہ توریت کا منشاء یہ ہے کہ صلیب خدا تعالےٰ کیطرف سے

جرائم پیشہ کی موت کا ذریعہ ہے پس جو شخص صلیب پر مرگیا وہ مجرمانہ موت مرا جو لعنتی موت ہے لیکن مسیح صلیب پر نہیں مرا اور اس کو خدا نے صلیب کی موت سے بچا لیا بلکہ جیسا کہ اس نے کہا تھا کہ میری حالت یونس سے مشابہ ہے ایسا ہی ہوا نہ یونس مچھلی کے پیٹ میں مرا نہ یسوع صلیب کے پیٹھ پر۔ اور اُس کی دُعا "ایلی ایلی لما سبقتانی" سُنی گئی۔ اگر مرتا تو پیلاطوس پر بھی ضرور وبال آتا۔ کیونکہ فرشتہ نے پیلاطوس کی جورو کو یہ خبر دی تھی کہ اگر یسوع مرگیا تو یاد رکھ کہ تم پر وبال آئے گا مگر پیلاطوس پر وبال نہ آیا۔ اور یہ بھی یسوع کے زندہ رہنے کی ایک نشانی ہے کہ اُس کی ہڈیاں صلیب کے وقت نہیں توڑی گئیں۔ اور صلیب پر سے اتارنے کے بعد چھیدنے سے خون بھی نکلا۔ اور اُس نے حواریوں کو صلیب کے بعد اپنے زخم دکھلائے۔ اور ظاہر ہے کہ نئی زندگی کے ساتھ زخموں کا ہونا ممکن نہ تھا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا اس لئے لعنتی بھی نہیں ہوا۔ اور بلاشبہ اس نے پاک وفات پائی اور خدا کے تمام پاک رسولوں کیطرح موت کے بعد وہ بھی خدا کیطرف اٹھایا گیا۔ اور بموجب وعدہ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ اُس کا خدا کیطرف رفع ہوا۔ اگر وہ صلیب پر مرتا تو اپنے قول سے خود جھوٹا ٹھہرتا کیونکہ اس صورت میں یونس کے ساتھ اس کی کچھ بھی مشابہت نہ ہوتی۔

سو یہی جھگڑا مسیح کے بارے میں یہود اور نصاریٰ میں چلا آتا تھا جس کو آخر قرآن شریف نے فیصلہ کیا۔ پھر ابھی تک نصاریٰ کہتے ہیں کہ قرآن کے اُترنے کی کیا ضرورت تھی۔ اے نادانوں! اور دلوں کے اندھو! قرآن کامل توحید لایا۔ قرآن نے عقل اور نقل کو ملا کر دکھلایا۔ قرآن نے توحید کو کمال تک پہونچایا۔ قرآن نے توحید اور صفات باری پر دلائل قائم کئے۔ اور خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت عقلی نقلی دلائل سے دیا۔ اور کشفی طور پر بھی دلائل قائم کئے۔ اور وہ مذہب جو پہلے قصہ کہانی کے رنگ میں چلا آتا تھا اُس کو علمی رنگ میں دکھلایا۔ اور ہر ایک عقیدہ کو حکمت کا جامہ پہنایا۔ اور وہ سلسلہ معارف دینیہ کا جو غیر مکمل تھا اُسکو کمال تک پہونچایا۔ اور یسوع کی گردن پر سے لعنت کا طوق اتارا۔ اور اُسکے مرفوع اور سچا نبی ہونیکی شہادت دی۔ تو کیا اسقدر فیض رسانی کے ساتھ بھی قرآن کیضرورت ثابت نہ ہوئی؟

یہ یاد رہے کہ قرآن نے بڑی صفائی سے اپنی ضرورت ثابت کی ہے۔ قرآن صاف کہتا ہے اِعْلَمُوا أَنَّ

اللہ یحیی الارض بعد موتہا یعنے اس بات کو جان لو کہ زمین مرگئی تھی اور اب خدا نئے سرے اُسکو زندہ کرنے لگا ہے۔ تاریخ شہادت دیتی ہی کہ قرآن کے زمانہ قرب نزول مین ہر ایک قوم نے اپنا چال چلن بگاڑا ہوا تہا۔ پادری فنڈل مصنف میزان الحق باوجود اسقدر تعصب کے جو اسکے رگ و ریشہ مین بہرا ہوا تہا میزان الحق مین صاف گواہی دیتا ہی کہ قرآن کے نزول کے زمانہ مین یہود و نصارے کا چال چلن بگڑا ہوا تہا اور انکی حالتین خراب ہو رہی تھین اور قرآن کا آنا اُنکے لئے ایک تنبیہ تھی۔ مگر اس نادان نے باوجودیکہ یہ تو اقرار کیا کہ قرآن اُسوقت آیا جبکہ یہود و نصارے کا چال چلن بہت خراب ہو رہا تہا لیکن پھر بھی یہ جھوٹا عذر پیش کردیا کہ خدا تعالے کو ایک جھوٹا نبی بھیجکر یہود و نصارے کو متنبہ کرنا منظور تھا مگر یہ اللہ تعالیٰ پر تہمت ہی کیا ہم اللہ جلشانہ کیطرف یہ خراب عادت منسوب کرسکتے ہین کہ اس نے لوگون کو گمراہی اور بدچلنی مین پاکر یہ تدبیر سوچی کہ اور بھی گمراہی کے سامان اُنکے لئے میسر کرے اور کروڑہا بندگان خدا کو اپنے ہاتھ سے تباہی مین ڈالے۔ کیا غلبہ شدائد اور مصائب کیوقت خدا تعالیٰ کے قانون قدرت مین یہی عادت اُسکی ثابت ہوتی ہے ؟ افسوس کہ یہ لوگ دنیا سے محبت کرکے کیسے آفتاب پر تھوک رہے ہین ایک ناچیز انسان کو خدا بھی کہتے ہین اور پھر ملعون بھی۔ اور اس عظیم الشان نبی کے وجود سے انکار کر رہے ہین کہ جو ایسے وقت مین آیا جبکہ نوع انسان مردہ کیطرح ہو رہے تھے اور کہتے ہین کہ قرآن کی ضرورت کیا تھی۔ اے غافلو ! اور دلوں کے اندہو ! قرآن جیسے ضلالت کے اور طوفان کے وقت مین آیا ہے کوئی نبی ایسے وقت مین نہین آیا۔ اُس نے دنیا کو اندھا پایا اور روشنی بخشی۔ اور گمراہ پایا اور ہدایت دی۔ اور مُردہ پایا اور جان عطا فرمائی۔ تو کیا ابھی ضرورت ثابت ہونے مین کچھہ کسر رہ گئی ؟ اور اگر یہ کہو کہ توحید تو پہلے بھی موجود تھی۔ قرآن نے نئی چیز کونسی دی ؟ تو اس سے اور بھی تمہاری عقل پر رونا آتا ہے مین ابھی لکھہ چکا ہون کہ توحید پہلی کتابون مین ناقص طور پر تھی اور تم ہرگز ثابت نہین کرسکتے کہ کامل تھی۔ ماسوا اس کے توحید دلون سے بکلی کم ہو گئی تھی قرآن نے اس توحید کو پھر یاد دلایا اور اس کو کمال تک پہونچایا۔ قرآن کا نام اسی لئے ذکر ہے کہ وہ یاد دلانیوالا ہے۔ ذرہ آنکھہ کھول کر سوچو کہ کیا توریت نے جو کچھہ توحید کے بارے مین بیان کیا تہا وہ ایک ایسی نئی بات تھی جو پہلے نبیون کو اُس کی خبر نہین تھی۔ کیا یہ سچ نہین کہ سب سے پہلے آدم کو اور پھر شیث اور نوح اور ابراہیم اور دوسرے رسولونکو جو موسے سے پہلے

آئے توحید کی تعلیم ملی تھی ؟ پس یہ توریت پر بھی اعتراض ہے کہ اُس نے نئی چیز کونسی پیش کی -
اے کج دل قوم ! خدا روز روز نیا نہیں ہو سکتا - موسیٰ کے وقت میں وہی خدا تھا جو آدم اور شیث اور نوح
اور ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب اور یوسف کے وقت میں تھا - اور توریت نے وہی توحید کے بارے میں
بیان کیا جو پہلے نبی کہتے آئے -

اب اگر یہ سوال ہو کہ کیوں توریت نے اسی پرانی توحید کا ذکر کیا تو اس کا جواب یہی ہے کہ
خدا کی ہستی اور وحدانیت کا مسئلہ توریت سے شروع نہیں ہوا بلکہ قدیم سے چلا آتا ہے - ہاں بعض
زمانوں میں ترک عمل کی وجہ سے اکثر لوگوں کی نظر میں حقیر اور ذلیل ضرور ہوتا رہا ہے - پس خدا
کی کتابوں اور خدا کے نبیوں کا یہ کام تھا کہ وہ ایسے وقتوں میں آتے رہے ہیں کہ جب اس مسئلہ
توحید پر لوگوں کی توجہ کم رہ گئی ہو - اور طرح طرح کے شرکوں میں وہ مبتلا ہو گئے ہوں یہی مسئلہ
دنیا میں ہزاروں دفعہ جیتقبل ہوا - اور ہزاروں دفعہ پھر زنگ خوردہ کی طرح ہو کر لوگوں کی نظروں سے
چھپ گیا - اور جب چھپ گیا تو پھر خدا نے اپنے کسی بندہ کو بھیجا نئے سرے اسکو روشن کر کے دکھلائے
اسیطرح دنیا میں کبھی ظلمت کبھی نور غالب آتا رہا - اور ہر ایک نبی کی شناخت کا یہ نہایت اعلیٰ درجہ کا
معیار ہے کہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ کس وقت آیا اور کسقدر اصلاح اُس کے ہاتھ سے ظہور میں آئی - چاہیئے
کہ حق طلبی کی راہ سے اسی بات کو سوچیں اور شریروں اور متعصب لوگوں کے پُر خیانت اقوال کیطرف توجہ نہ
کریں اور ایک صاف نظر لیکر کسی نبی کے حالات کو دیکھیں کہ اُس نے ظہور فرما کر اس زمانہ کے لوگوں کو کس
حالت میں پایا اور پھر اُس نے اُن لوگوں کے عقائد اور چال چلن میں کیا تبدیلی کر کے دکھلائی تو اس سے ضرور پتہ لگ
جائیگا کہ کون نبی اشد ضرورت کے وقت آیا اور کون اس سے کمتر - نبی کی ضرورت گنہگاروں کے لئے بعینہٖ ایسی ہی
ہوتی ہے جیسا کہ طبیب کی ضرورت بیماروں کے لئے - اور جیسا کہ بیماروں کی کثرت ایک طبیب کو چاہتی ہے ایسا
ہی گنہگاروں کی کثرت ایک مصلح کو -

اب اگر کوئی اس قاعدہ کو ذہن میں رکھکر عرب کی تاریخ پر نظر ڈالے کہ عرب کے باشندے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے کیا تھے اور پھر کیا ہو گئے تو بلاشبہ وہ اس نبی آخر الزمان
صلی اللہ علیہ وسلم کو قوت قدسی اور تاثیر قوی اور افاضہ برکات میں سب نبیوں سے اوّل درجہ
سمجھے گا - اور اسی بنا پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی ضرورت کو دوسری تمام کتابوں

اور نبیوں کی ضرورت سے بدیہی الثبوت یقین کرے گا۔ مثلاً یسوع نے دنیا مین آکر دُنیا کی کس ضرورت کو پورا کیا؟ اور اُسکا ثبوت کیا ہے کہ اُس نے کوئی ضرورت پوری کی؟ کیا یہودیون کے اخلاق اور عادات اور ایمان مین کوئی بہاری تبدیلی کردی یا اپنے حواریون کو تزکیہ نفس مین کمال تک پہونچادیا؟ بلکہ ان پاک اصلاحون مین سے کچھہ بھی ثابت نہین۔ اور اگر کچھہ ثابت ہے تو صرف یہی کہ چند آدمی طمع اور لالچ سے بہرے ہوئے اس کے ساتھہ ہوگئے۔ اور انجام کار انہون نے بڑی قابل شرم بے وفائیاں دکھلائین۔ اور اگر یسوع نے خودکشی کی تو مین اس سے زیادہ ہرگز تسلیم نہین کرونگا کہ ایک ایسی بیوقوفی کی حرکت اُس سے صادر ہوئی جس سے اُسکی انسانیت اور عقل پر ہمیشہ کیلئے داغ لگ گیا ایسی حرکت جسکو انسانی قوانین بھی ہمیشہ جرائم کے نیچے داخل کرتے ہین کیا کسی عقلمند سے صادر ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہین۔ پس ہم پوچھتے ہین کہ یسوع نے کیا سکھلایا اور کیا دیا؟ کیا وہ لعنتی قربانی جسکا عقل اور انصاف کے نزدیک کوئی بھی نتیجہ معلوم نہین ہوتا۔

یاد رہے کہ انجیل کی تعلیم مین کوئی نئی خوبی نہین بلکہ یہ سب تعلیم توریت مین پائی جاتی ہے اور اُسکا ایک بڑا حصہ یہودیون کی کتاب طالموت مین ابتک موجود ہے۔ اور یہودی فاضل ابتک کہتے ہین کہ ہماری پاک کتابون سے یہ فقرے چوراے گئے ہین۔ چنانچہ حال مین جو ایک فاضل یہودی کی کتاب میرے پاس آئی ہے اُس نے اسی بات کا ثبوت دینے کیلئے کئی ورق لکھے ہین اور بڑے زور سے اسناد پیش کئے ہین کہ یہ فقرات کہان کہان سے چوراے گئے ہین مینے یہ کتاب صرف میان سراج الدین کے لئے منگوائی تھی مگر اُن کی بدقسمتی ہے کہ وہ دیکھنے سے پہلے چلے گئے محقق عیسائی اس بات کو قبول کرتے ہین کہ درحقیقت انجیل یہودیون کی کتابون کے ان مضامین کا ایک خلاصہ ہے جو حضرت مسیح کو پسند آئے لیکن بالآخر یہ کہتے ہین کہ مسیح کے دنیا مین آنیسے یہ غرض نہین تھی کہ کوئی تعلیم لائے بلکہ اصل مطلب تو اپنے وجود کی قربانی دینا تھا یعنی وہی لعنتی قربانی جسکے بار بار کے ذکر سے مین اس رسالہ کو پاک رکھنا چاہتا ہون غرض عیسائیونکو یہ دہوکہ لگا ہوا ہے کہ شریعت توریت تک مکمل ہوچکی اس لئے یسوع کوئی شریعت لیکر نہین آیا بلکہ نجات دینے کی سامان لیکر آیا اور قرآن نے ناحق پھر ایسی شریعت کی بنیاد ڈال دی جو پہلے مکمل ہوچکی تھی یہی دہوکہ عیسائیونکی ایمانکو کہا گیا مگر یاد رہے کہ یہ بات بالکل صحیح نہین ہے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ چونکہ انسان سہو و نسیان سے مرکب ہے اور نوع انسان مین خدا کے

احکام عملی طور پر ہمیشہ قایم نہین رہ سکتے - اس لئے ہمیشہ نئے یاد دلانے والے اور قوت دینے والے کی ضرورت پڑتی ہے - لیکن قرآن شریف صرف انہی دو ضرورتوں کی وجہ سے نازل نہین ہوا بلکہ وہ پہلی تعلیمون کا درحقیقت متمم اور مکمل ہے - مثلاً توریت کا زور حالات موجودہ کے لحاظ سے زیادہ تر قصاص پر ہے اور انجیل کا زور حالات موجودہ کے لحاظ سے عفو اور صبر اور درگذر پر ہے اور قرآن ان دونوں صورتوں مین محل شناسی کی تعلیم دیتا ہے - ایسا ہی ہر ایک باب مین توریت افراط کیطرف گئی ہے اور انجیل تفریط کیطرف اور قرآن شریف وسط کی تعلیم کرتا اور محل اور موقعہ کا سبق دیتا ہے - گو نفس تعلیم تینون کتابون کا ایک ہی ہے مگر کسی نے کسی پہلو کو تشدد کے ساتھ بیان کیا اور کسی نے کسی پہلو کو - اور کسی نے فطرت انسانی کے لحاظ سے درمیانہ راہ لیا جو طریق تعلیم قرآن ہے اور چونکہ محل اور موقعہ کا لحاظ رکھنا ہی حکمت ہے سو اس حکمت کو صرف قرآن شریف نے سکھلایا ہے - توریت ایک یہودہ سختی کیطرف کھینچ رہی ہے* اور انجیل ایک یہودہ نرمی پر زور دے رہی ہے اور قرآن شریف وقت شناسی کی تاکید کرتا ہے - پس جسطرح پستان مین آکر خون دودھ بنجاتا ہے اسیطرح توریت اور انجیل کے احکام قرآن مین آکر حکمت بنگئے ہین - اگر قرآن شریف نہ آیا ہوتا تو توریت اور انجیل اُس اندھے کے تیر کیطرح ہوتین کہ کبھی ایک آدھ دفعہ نشانہ پر لگ گیا اور سو دفعہ خطا گیا غرض شریعت فقہوں کے طور پر توریت سے آئی اور مثالوں کیطرح انجیل سے ظاہر ہوئی اور حکمت کے پیرایہ مین قرآن شریف سے حق اور حقیقت کے طالبوں کو ملی -

سو توریت اور انجیل قرآن کا کیا مقابلہ کرینگی - اگر صرف قرآن شریف کی پہلی سورت کے ساتھ ہی مقابلہ کرنا چاہین یعنی سورہ فاتحہ کے ساتھ جو فقط سات آیتین ہین اور جس ترتیب انسب اور اور ترتیب محکم اور نظام فطرتی سے اس سورت مین صدہا حقایق اور معارف دینیہ اور روحانی حکمتین درج ہین اُن کو موسےٰ کی کتاب یا یسوع کے چند ورق انجیل مین سے نکالنا چاہین تو گو ساری عمر کوشش کرین تب بھی یہ کوشش لاحاصل ہوگی - اور یہ بات لاف وگزاف نہین بلکہ واقعی اور حقیقی یہی بات ہے کہ توریت اور انجیل کو علوم حکمیہ مین سورۃ فاتحہ کیساتھ بھی مقابلہ کرنے کی طاقت نہین - خدا کا کلام خدا کی طاقتوں سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ اُس کی مصنوعات عجائب قدرت سے ثابت ہوتی ہیں - مثلاً آسمان پر ہزاروں ستارے

* یہ سختی اور نرمی اپنے اپنے زمانہ اور قوم کی موجودہ حالت کے لحاظ سے مناسب تعلیم تھی مگر حقیقی تعلیم نہیں تھی جو قابل ترک نہ ہو منہ

ہین - اب اگر کوئی بیوقوف چند ستاروں کیطرف اشارہ کرکے کہدے کہ ان کی کیا ضرورت ہے لہذا یہ خدا تعالےٰ کی طرف سے نہین ہین یا چند بوٹیوں یا پتھروں یا جانوروں کا نام لیکر کہدے کہ انکے وجود کے بغیر دوسری بوٹیوں وغیرہ سے کام چلسکتا ہے - اس لئے یہ خدا تعالےٰ کیطرف سے نہین ہین تو ایسا قائل بجز دیوانہ یا احمق کے کون ہوسکتا ہے -

یہ بات یاد رکھنے کے لایق ہی کہ قرآن اُن تمام کمالات کا جامع ہی جنکی انسان کو تکمیل نفس کیلئے حاجت ہے - اور توریت کی قرآن کے ساتھ یہ مثال ہی کہ جیسے ایک مسافر خانہ تھا وہ بڑی بڑی آندھیوں اور زلزلوں کے باعث سے گر پڑا اور بجائے اس مسافر خانہ کے ایک اینٹوں کا ڈھیر لگ گیا اور پاخانہ کی اینٹیں باورچی خانہ مین اور باورچی خانہ کی پاخانہ مین جا پڑین اور سب مکان زیروزبر ہوگیا پس اس سرائے کے مالک کو مسافروں کے حال پر رحم آیا سو اُس نے فی الفور بجائے اس مسافر خانہ کے ایک ایسا عمدہ اور آرام بخش مسافر خانہ طیار کیا جو اُس پہلے سے بہتر اور مسافروں کے لئے نہایت آرام بخش مکانات اپنے اپنے قرینہ سے اُس میں موجود تھے اور کسی ضرورت کے مکان کی کمی نہیں تھی اور مالک نے اس آخر الذکر مسافر خانہ کی تعمیر مین کچھ تو وہی اینٹین پہلے مسافر خانہ کی لے لین اور کچھ زیادہ اینٹین اور لکڑی وغیرہ مصالح بہم پہونچایا جو عمارت کو کامل طور پر کافی ہوسکتا تھا سو قرآن شریف وہی دوسرا مسافر خانہ ہے جسکی آنکھین ہون دیکھے !!!

اس جگہ یہ اعتراض بھی دور کر دینے کے قابل ہے کہ جس حالت مین حقیقی اور کامل تعلیم یہی ہے جس مین محل اور موقعہ کی رعایت اور ہر ایک نکتہ معرفت کا استیفاء کے ساتھ بیان ہو تو کیا سبب ہے کہ توریت اور انجیل اس سے خالی رہین اور قرآن نے ان دونو باتون کو کمال تک پہونچایا تو اس کا جواب یہی ہے کہ یہ توریت اور انجیل کا قصور نہین ہے بلکہ قوموں کی استعداد کا قصور ہے یہودی لوگ جنسے پہلے حضرت موسیٰ کو واسطہ پڑا وہ چار سو برس تک فرعون کی غلامی مین رہے تھے اور ایک مدت دراز تک ظلم کے تختہ مشق رہکر عدل اور انصاف کی حقیقت سے بے خبر ہو گئے تھے یہ ایک فطرتی قاعدہ ہی کہ اگر بادشاہ وقت جو مودب اور آموزگار کے حکم مین ہوتا ہے عادل ہو تو رعایا کے دلپر عدل کا پرتو اپڑتا ہے اور طبعاً وہ بھی خلق عدل کیطرف مائل ہوجاتے ہین اور تہذیب اور شایستگی ان مین پیدا ہوکر عادلانہ صفات اپنا جلوہ دکھاتے ہین لیکن اگر بادشاہ ظالم ہو تو رعایا بھی اس سے ظلم اور تعدی کا سبق

سیکھتی ہے اور اکثر ان کی صفت عدل سے محروم ہوتی ہے۔ پس یہی حال بنی اسرائیل کا ہوا۔ کہ وہ لوگ ایک مدت دراز تک فرعون جیسے ظالم بادشاہ کی رعایا رہکر اور طرح طرح کے ظلم اٹھاکر عدل کی کیفیت سے بالکل غافل ہو گئے۔ سو حضرت موسیٰ کا فرض یہ تھا کہ ان کو سب سے پہلے عدل کا سبق دیں اس لئے توریت مین عدل کی حفاظت کے لئے بڑے شد و مد سے آیات پائی جاتی ہین۔ ہاں رحم کی آیات کا بھی توریت مین پتہ ملتا ہے لیکن اگر غور سے دیکھو تو ایسی آیتین بھی عدل کے حدود کی نگہداشت کے لئے اور ناجائز جذبات اور بیجا کینون کے روکنے کے لئے بیان فرمائی گئی ہین۔ اور ہر جگہ اصل مدعا قوانین عدل اور انصاف کی نگہداشت ہے۔ لیکن انجیل پڑھنے سے یہ مدعا معلوم نہین ہوتا بلکہ انجیل مین عفو اور ترک انتقام پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اور جب ہم انجیل کو تدبر اور عمیق نگاہ سے دیکھتے ہین تو اس کے سلسلہ عبارت سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ اس کتاب کا لکھنے والا اپنے مخاطبین کی نسبت یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ لوگ طریق مروت اور صبر اور ترک انتقام سے بالکل دور اور مہجور ہین اور چاہتا ہے کہ انکے ایسے دل ہو جائین کہ انتقام لینے کے حریص نہ ہوں اور صبر اور برداشت اور عفو اور درگذر اپنی عادت کرین۔ اس کا یہی سبب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت مین یہودیوں کی اخلاقی حالت مین بہت فتور آگیا تھا اور مقدمہ بازی اور کینہ کشی مین انتہا تک پہونچ گئے تھے۔ اور اس بہانہ سے کہ ہم قانون عدل کے حامی ہین رحم اور درگذر کی خصلتین بالکل ان مین سے دور ہو گئی تھین۔ سو انجیل کی نصیحتین قانون مختص الزمان کیطرح یا مختص القوم کیطرح ان کو سنائی گئی تھین۔ مگر یہ واقعی قانون کی تصویر نہ تھی اس لئے قرآن نے آکر اُس کو دور کر دیا۔

جسوقت ہم قرآن کو غور سے دیکھتے ہین اور صاف دل سے اس کے مقصد کے گہراؤ تک چلے جاتے ہین تو ہمین صاف دکھائی دیتا ہے کہ قرآن نے نہ توریت کیطرح انتقام اور سختی پر ایسا زور ڈالا ہے کہ جیسا کہ توریت کی لڑائیون اور قانون قصاص سے ثابت ہوتا ہے۔ اور نہ انجیل کی طرح یکدفعہ عفو اور صبر اور درگذر کی تعلیم پر گر پڑا ہے بلکہ بار بار امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیتا ہے۔ یعنی یہ حکم دیتا ہے کہ جو امر عقل اور شرع کے رو سے بہتر اور محل پر ہو اس کو بجالاؤ اور جسپر عقل اور شرع کا اعتراض ہو اور منکرات مین سے ہو اس سے دست بردار ہو جاؤ سو قرآن کے دیکھنے سے ایسا پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے قوانین اور حدود اور اوامر کو علم کے رنگ مین ہمارے دلون مین جمانا چاہتا ہے۔

کیونکہ وہ شخصی امر اور نہی کے زندان میں ہمیں محبوس کرنا نہیں چاہتا بلکہ اپنی پاک شریعت کو قواعد کلیہ کیطور پر بیان کر دیتا ہے۔ مثلاً وہ ایک کلام کلی کیطور پر حکم فرماتا ہے کہ تم معروف کو بجا لاؤ اور منکر سے دستکش ہو جاؤ۔ سو یہ دو کلمے یعنے معروف اور منکر ایسے جامع کلمے ہیں جو شریعت کے قوانین کو علمی رنگ میں لے آتے ہیں اور اس تعلیم سے ہر ایک محل میں یہ سوچنا پڑتا ہے کہ حقیقی نیکی کیا ہے۔ مثلاً اسوقت جو زید نے ہمارا ایک گناہ کیا ہے تو اسکو مارنا بہتر ہے یا عفو کرنا۔ اور ایک سائل جو ہم سے مثلاً ہزار روپیہ اس غرض سے مانگتا ہے کہ وہ اس روپیہ سے اپنے لڑکے کی دھوم دھام سے شادی کرے اور آتشبازی اور گانے والی عورتیں اور دوسرے باجوں کے ساتھ اپنے خاندان کے رسوم کیموافق اس رسم کو ادا کرے۔ تو ہم ہزار روپیہ اسکو دے سکتے ہیں مگر ہمیں امر معروف اور نہی منکر کے قاعدہ کے لحاظ سے سوچ لینا چاہیئے کہ ایسی سخاوت سے ہم کس شخص کی مدد کرتے ہیں غرض اسیطرح قرآن نے ہمارے دین اور دنیا کی بہبودی کے لئے ہمارے ہر ایک کار خیر میں محل اور موقعہ کی قید لگا دی ہے۔

اسجگہ ایک اور اعتراض کا دفع کرنا بھی ضروری ہے کہ اسلام نے توحید کے منوانے کے لئے یہود وغیرہ اقوام کے ساتھ لڑائیاں کی ہیں۔

سو واضح ہو کہ اسلام نے توحید منوانے کے لئے لڑائیاں ہرگز نہیں کیں بلکہ اسلام کے مخالف خود اپنی شرارتوں سے لڑائیوں کے محرک ہوئے۔ بعض نے مسلمانوں کے قتل کرنے کے لئے خود پہلے تلوار اٹھائی بعض نے اُن کی مدد کی۔ بعض نے اسلام کی تبلیغ روکنے کے لئے بے جا مزاحمت کی۔ سو ان تمام موجبات کی وجہ سے مفسدین کی سرکوبی اور سزا اور فتنہ کی مدافعت کے لئے خدا تعالےٰ نے اُن ہی مفسدوں کے مقابل پر لڑائیوں کا حکم کیا۔ اور یہ کہنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تیرہ برس تک اس وجہ سے مخالفوں سے لڑائی نہیں کی کہ اس وقت تک پوری جمعیت حاصل نہیں ہوئی تھی یہ محض لغو اور مفسدانہ خیال ہے۔ اگر صورت حال یہ ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تیرہ برس تک ان ظلموں اور خونریزیوں سے باز رہتے جو مکہ میں ان سے ظہور پذیر ہوئے اور پھر اپنے مصمم ارادہ کرتے کہ یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینا چاہیئے اور یا وطن سے نکال دینا چاہیئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی بغیر حملہ مخالفین کے مدینہ کیطرف چلے جاتے تو ایسی بدظنیوں کی کوئی جگہ بھی ہوتی۔ لیکن یہ واقعہ تو ہمارے مخالفوں

کو بھی معلوم ہے کہ تیرہ برس کے عرصہ میں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم دشمنوں کی ہر ایک سختی پر صبر کرتے رہے اور صحابہ کو سخت تاکید تھی کہ بدی کا مقابلہ نہ کیا جائے چنانچہ مخالفوں نے بہت سے خون بھی کئے اور غریب مسلمانوں کو زدوکوب کرنے اور خطرناک زخم پہونچانے کا تو کچھ شمار نہ رہا۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کے لئے حملہ کیا۔ سو ایسے حملہ کے وقت خدا نے اپنے نبی کو معجزانہ طور سے محفوظ رکھکر مدینہ میں پہونچا دیا اور خوش خبری دی کہ جنہوں نے تلوار اٹھائی وہ تلوار ہی سے ہلاک کئے جائیں پس ذرا عقل اور انصاف سے سوچو کہ کیا اس روئداد سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ جمعیت لوگوں کی ہوگئی تو پھر لڑائی کی نیت جو پہلے سے دل میں پوشیدہ تھی ظہور میں آئی افسوس ہزار افسوس کہ تعصب مذہبی کے رو سے عیسائی دین کے حامیوں کی کہاں تک نوبت پہونچگئی ہے۔ یہ بھی نہیں سوچتے کہ مدینہ میں جاکر جب مکہ والوں کے تعاقب کے وقت بدر کی لڑائی ہوئی جو اسلام کی پہلی لڑائی ہے تو کونسی جمعیت پیدا ہوگئی تھی۔ اس وقت تو کل تین سو تیرہ آدمی مسلمان تھے اور وہ بھی اکثر نوعمر ناتجربہ کار جو میدان بدر میں حاضر ہوئے تھے۔ پس سوچنے کا مقام ہے کہ کیا اس قدر آدمیوں پر بھروسہ کرکے عرب کے تمام بہادروں اور یہود اور نصاریٰ اور لاکھوں انسانوں کی سرکوبی کے لئے میدان میں کسی کا نکلنا عقل فتوے دے سکتی ہے؟ !!! اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ نکلنا اُن تدبیروں اور ارادوں کا نتیجہ نہیں تھا۔ جو انسان دشمنوں کے ہلاک کرنے اور اپنی فتحیابی کے لئے سوچتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کم سے کم تین چالیس ہزار فوج کی جمعیت حاصل کرلینا ضرور تھا اور پھر اس کے بعد لاکھوں انسانوں کا مقابلہ کرنا۔ لہذا صاف ظاہر ہے کہ یہ لڑائی مجبوری کیوقت خدا تعالےٰ کے حکم سے ہوئی تھی نہ ظاہری سامان کے

بھروسہ پر

حضرت مسیح کا دس گم شدہ اسرائیلی

قوموں کیطرف جانا

انجیلی شہادتین نمبر ۳

اس عنوان کے نیچے گذشتہ دو نمبروں مین انجیل کے قصص کی بنا پر ہمنے یہ ثابت کیا تہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کی لعنتی موت سے بچائے گئے اگرچہ ان مضامین کو شایع ہوئے دو ماہ کا عرصہ گذر چکا ہے لیکن عیسائیوں کی طرف اسے ان کی تردید مین ہم نے سوائے اس ریمارک کے اور کچھہ نہین دیکہا کہ اس قسم کے استنباط انجیلوں کے اصلی اور یکساں مفہوم اور منشاء کے خلاف ہین لیکن اصل بات یہ ہی کہ اناجیل کا یہ فرضی اصلی منشاء سوائے اس کے کوئی حقیقت نہین رکھتا کہ یہ عیسائیوں کا دلی اعتقاد ہے۔ بجائے خود قصص اناجیل اسقدر متضاد بیانات کا مجموعہ ہین کہ ان کا ایک ہی مفہوم ہونا تو الگ رہا۔ انکے پڑہنے سے یہ بھی معلوم نہین ہوتا کہ وہ ایک ہی شخص کے قصہ کو بیان کر رہی ہین یا مختلف اشخاص کے۔ جسقدر رکیک تاویلون سے چاہو الفاظ کے معنے کرنے مین مدد لو لیکن پھر بھی تمام انجیلوں کے قصوں کو ایک ہی شخص کا مکمل قصہ ثابت کرنا محال ہے۔ ایسی صورت مین عقلمند کا فرض ہے کہ یہودگیوں کو رد کرکے یسوع کی زندگی کی بنا ان واقعات کو ٹھیرائے جو تاریخی طور پر صحیح معلوم ہون اور اگر وہ یہ نہ کرے گا تو پھر اُسے سارے قصہ کو ہی غلط اور بے بنیاد ٹھیرا کر رد کرنا پڑے گا۔ اس سے پہلے ہم دکھلا چکے ہین کہ انجیل مین ایسے واقعات اور بیانات ایک دو نہین بلکہ بکثرت ہین جنسے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یسوع صلیب پر نہین مرا اب ہم عیسائیون ہی سے پوچھتے ہین کہ ان تمام انجیلی فقرون کو کیا کرین جھوٹے کہین یا وضعی ٹھہرائین یا تحریف کا نام دین۔ مثلاً انجیل کی اس پیشگوئی کی نسبت عیسائیون کا کیا اعتقاد ہے جس مین حضرت مسیح کہتے ہین کہ یونس نبی کے نشان کے سوائے کوئی نشان یہودیون کو نہین دیا جاوے گا۔ اگر اس پیشگوئی کو جھوٹا نہ ٹھیرایا جائے تو اس نتیجہ سے کسی طرح گریز ہی نہین ہوسکتی کہ جسطرح یونس زندہ مچھلی کے پیٹ مین ڈالا گیا اُسیطرح مسیح زندہ قبر کے اندر رکھا گیا۔

عیسائی مذہب کے حامیوں نے بہت ساری کوششیں کی ہین کہ اس مشکل سے بچنے کی کوئی راہ نکل آوے مگر ان کی کوششین لاحاصل ثابت ہوئی ہین - پھر مثلاً پیلاطوس کی بیوی کے اس خواب کی نسبت کیا رائے لگائی جاوے جو متی ۲۷/۱۹ مین مذکور ہے - کیا اس کو شیطانی سمجھا جاوے یا اس سارے قصے کو ہی جھوٹا مانا جاوے - ان دونوں باتون کو تو کوئی عیسائی تسلیم نہین کرے گا - لیکن اگر یہ دونوں باتین ٹھیک نہین تو پھر اس خواب کی غرض اور مقصد کیا ہے کیا یہ بدیہی بات نہین کہ اس خواب کا مقصد مسیح کو صلیب سے نجات دینا ہے ؟ اگر خدا تعالیٰ کا یہ منشا نہین تہا کہ مسیح صلیب کی لعنتی موت سے نجات پائے تو کیون اس نے پیلاطوس کو متنبہ کرنے کے لئے اس کی عورت کے پاس فرشتہ بھیجا اور اس طرح پر نعوذ باللہ ایک لغو حرکت کی ؟ اور اگر اس کا مقصد واقعی یسوع کو چھوڑانا ہی تہا جیسا کہ خواب سے صاف طور پر پایا جاتا ہے تو کیا خدا کے علاوہ اور اس سے مقتدر بھی ہستی موجود ہے جس نے خدا تعالےٰ کے اس ارادے کو پورا نہ ہونے دیا مسیح کی پیدایش کے متعلق جو قصہ انجیل مین مذکور ہے وہان بھی ایک خواب کے ذریعہ ہی متنبہ کرکے خدا تعالےٰ نے مسیح کو قتل کئے جانے سے بچایا تہا اب ان دونوں خوابوں کا مقابلہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جیسا کہ پہلی خواب مین منشاء ایزدی یہ تہا کہ مسیح کی جو اسوقت بچہ تہا جان بچ جائے ایسا ہی دوسری خواب مین بھی الہی منشاء اس کے سوا کچھ نہ تہا کہ مسیح صلیب کی لعنتی موت سے بچایا جاوے - اگر اس خواب کا یہ منشاء نہین تو بہتر ہے کہ عیسائی صاحبان اس خواب کے ذکر کو ایک جھوٹا قصہ ٹہرا کر انجیل سے خارج کردین پھر تیسرا امر یہ ہے کہ باغ مین جو یسوع کی دردناک دعا کا قصہ انجیل مین مذکور ہے اس کو کیونکر رد کیا جاتا ہے شدت غم کی حالت مین جو اسے موت کے برابر معلوم ہوتا تہا حضرت مسیح بڑی عاجزی سے خدا تعالےٰ کے آستانہ پر گرے اور سچی خضوع و خشوع سے رو رو کر یہ دعائیں مانگین کہ اے میرے قادر خدا اگر ممکن ہے تو تو یہ موت کا پیالہ مجھسے ٹالدے کون جانتا ہے کہ اسوقت اسکے دل کی کیا حالت تھی جب وہ غموں کے بوجھ کے نیچے دبا ہوا نہایت درد کے ساتھ ساری رات چلاتا رہا سوتے ہوئے حواری اسکی دردناک چیخوں سے کبھی کبھی چونک پڑتے اسکا دل اس غم کے نیچے پھوٹ پھوٹ کر بہ نکلتا اور اس کی چیخین اس دردناک حالت مین دعا کرتے وقت ایسے زور سے نکلتی تھین کہ حواری جو بہت دور سوئے پڑے تھے - وہ بھی کبھی کبھی ان سے چونک اٹھتے* اس سے قیاس ہوسکتا

* نوٹ صفحہ ۹۲ پر ملاحظہ ہو ۔

ہے کہ کسقدر اس کو غم تھا اور کیسا سچا جوش اس کے دل مین تھا کہ خدا تعالے اسے صلیب کی لعنتی موت سے بچالے۔ عقلمند انسان ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہین کرسکتا کہ خدا کا ایک مقبول نبی بڑے لمبے درد کی حالت مین ساری رات ایک لعنتی موت سے بچنے کے لئے چیختا چلاتا رہے اور خدائے کریم و رحیم اس پر کچھ بھی رحم نہ کرے اور اسکی دعا کو نہ سنے اور اگر حضرت مسیح کی دعا ایسی دردناک حالت مین بھی قبول نہین کی تو عیسائیون کو اپنی دعاؤن کی قبولیت سے بالکل مایوس رہنا چاہیئے بلکہ خود حضرت مسیح کا دعا پر اسقدر زور دینا بالکل لغو تھا اگر اس کی اپنی دعا سب سے بہادر مصیبت کے وقت مردود ہونی تھی ان امور کے علاوہ عبرانیون ۵/۷ مین یہ صاف طور پر لکھا ہے کہ حضرت مسیح کی یہ دعا قبول ہوگئی تھی لیکن اگر مسیح صلیب پر مرا تھا تو دعا کے متعلق یہ تمام قصے جھوٹے ہونے چاہئیں۔

یہ چند باتین مثال کے طور پر ہم نے بیان کی ہین ان کے علاوہ مسیح کا صلیب پر نہایت تھوڑا عرصہ رہنا اور صلیب کے بعد کے واقعات جو انجیلون مین مذکور ہین ان سے سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ نکالا ہی نہین جاسکتا کہ مسیح صلیب پر ہرگز نہین مرا اور عیسائیت کے عذر خواہ جو اپنے نزدیک اناجیل کا اصلی مفہوم اس نتیجہ کے مخالف سمجھے بیٹھے ہین وہ دراصل ایک جھوٹا عقیدہ ہے جو صدیون سے انکے دل مین جاگزیر ہوگیا ہے۔

ساری تاریخ مین ایک بھی ایسی مثال نہین ملتی جس مین ایک شخص دو یا تین گھنٹے صلیب پر لٹکائے جانے سے مرگیا ہو اور برعکس اس کے ایسی مثالین بکثرت موجود ہین کہ ایک یا دو دن

---

* انجیل مین اس دعا کا لکھا جانا اسی صورت مین ٹھیک ہوسکتا ہے کیونکہ اس موقعہ پر حضرت مسیح اپنے سارے مریدون کو چھوڑ کر دور چلا گیا تھا (متی ۲۶/۳۶) اور تین حواری جنکو ساتھ لے گیا تھا۔ وہ بھی گولی کی مار پر سوئے پڑے تھے (لوقا ۲۶/۳۶) لیکن اناجیل مین حضرت مسیح کی اس دعا کا لکھا جانا صاف اس امر پر شاہد ہے کہ حضرت مسیح کی دردناک آہون سے جو دعا کے وقت وہ کرتے ہونگے کبھی کبھی حواری جاگ اٹھتے ہونگے اور اس طرح پر اسکی دعا کے الفاظ سن لیئے ہونگے جو بعد ازان انکی روایت پر انجیل مین درج ہوئے۔ منہ

تک بھی صلیب پر لٹکا رہنے کے بعد بعض اشخاص جانبر ہو گئے فاضل مورخ جوزیفس نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے جس میں اس نے قیصر سے تین شخصوں کے جو صلیب پر کم از کم ایک دن سے زیادہ عرصہ سے جیسا کہ واقعات سے شہادت ملتی ہے) لٹکے ہوئے تھے چھوڑے جانے کیلئے درخواست کی اور وہ درخواست قبول ہو کر مناسب علاج سے تینوں میں سے ایک کی جان بچگئی۔ درحقیقت صلیب سے موت اسقدر آہستہ واقع ہوتی ہے کہ عقلمند انسان صرف اسی ایک واقعہ پر جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح صلیب پر دو یا تین گھنٹے سے زیادہ نہیں رہا غور کرنیسے اس نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے کہ مسیح کے صلیب پر مرنے کا مقدمہ ایک بالکل بے بنیاد اور غلط اعتقاد ہے۔ اس خیال کا بے بنیاد ہونا خود اناجیل سے بھی ثابت ہے کیونکہ لکھا ہے کہ یسوع اور دونوں چوروں کے لئے صلیب کی سزا کے بعد ٹانگیں توڑنے کی سزا کا بھی حکم ہوا تھا جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس تھوڑی سے عرصہ کو جو وہ صلیب پر رہے تھے موت کے لئے بالکل ناکافی خیال کیا گیا اور اس لئے ایک دوسری تجویز ایسی سزا کی گئی جس سے یقیناً موت واقع ہو جاوے کیونکہ ٹانگوں کے توڑنے کی سزا اکثر اوقات مجرموں کے مارنے کے لئے ایک علیحدہ سزا کے طور پر دی جاتی تھی اور مسیح اور چوروں پر صلیب کے بعد بھی اس سزا کے وارد کئے جانے کا حکم صاف بتاتا ہے کہ صلیب کو بسبب تھوڑا وقت ہونیکے ناکافی خیال کیا گیا اور ایک اور تکلیف دہ صورت موت کی تجویز کی گئی۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ٹانگوں کا توڑنا اس طور پر ہوا کرتا تھا کہ چولے سے لیکر پاؤں تک کی تمام ہڈیاں ہتھوڑے کے ساتھ توڑی جاتی تھیں۔ اب جہاں انجیلوں سے یہ ثابت ہے کہ ٹانگیں توڑنے کا حکم دیا گیا تھا کیونکہ صلیب پر اسقدر تھوڑے عرصہ کے لئے مسیح اور دونوں چور رکھے گئے تھے کہ اس سے موت واقع نہ ہو سکتی تھی۔ اس جگہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ چوروں کی ٹانگیں تو توڑی گئیں مگر مسیح کی نہیں توڑی گئیں اور یہ بہانہ کر دیا گیا کہ مسیح مر چکا ہے اس لئے اس کی ٹانگیں توڑنے کی حاجت نہیں ہے مگر جب کہ مسیح چوروں سے زیادہ عرصہ صلیب پر نہیں رہا اور صلیب کا اثر اس قدر کم مانا گیا کہ ایک اور ایسی سخت سزا ان کے لئے تجویز کرنی پڑی جو بغیر صلیب کے بھی موت کا ذریعہ ہو سکتی تھی تو کس طرح پر ہم اس کو تسلیم کر سکتے ہیں کہ مسیح صلیب پر ہی مر چکا تھا۔ بھالے کے زخم کا قصہ رہا سہا بھی اس امر کا فیصلہ کرتا ہے کہ مسیح میں جب وہ صلیب سے اتارا گیا جان باقی تھی کیونکہ لکھا ہے کہ زخم سے پانی اور لہو بہا۔ پانی بہنے سے اگر یہ منشا ہے کہ واقعی

لہو اور پانی دو الگ الگ سیال نکلے تھے تو اس مین شک نہین ہو سکتا کہ پانی صرف معجزہ بنانے کی خاطر بہایا گیا ہے اگر زخم اسقدر بھی گہرا ہوتا کہ دل تک پہنچ جاتا تو بھی پانی کا نکلنا ممکن نہ تھا سوا اس کے کہ مرض استسقا ہوتا مگر ہم خیال نہین کرتے کہ انجیل نویس کا یہ مطلب ہو۔ البتہ لہو کا نکلنا صاف اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مسیح ابھی زندہ تھا کیونکہ مرنے کے بعد معاً خون جم جاتا ہے مگر خون کا سیال ہونا اس امر کا یقینی ثبوت ہے کہ جب مسیح صلیب پر سے اتارا گیا تو وہ بھی چوروں کی طرح زندہ ہی تھا۔

اس مشکل سے نجات ڈھونڈنے کے لئے عذر خواہان مذہب عیسائی نے بہت سے حیلے تراشے ہین منجملہ اُن کے ایک یہ بھی ہے کہ جسطرح چوروں کی زندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے ان کی ٹانگین توڑی گئین اسی طرح مسیح کی زندگی کا بھالے سے خاتمہ کیا گیا۔ یہ اصل واقعات کی خلاف بیانی ہے۔ سپاہیوں کو اس قدر وسیع اختیارات حاصل نہ تھے کہ جسطرح چاہتے کسی کو مار ڈالتے اور اگر اُن کو ایک طریق سے مارنے کا حکم ہوتا تو اس کی بجائے وہ خود ایک اور طریق اختیار کر لیتے۔ اُن کو تو یہ ہدایت تھی کہ صلیب پر موت کے نہ واقعہ ہونے کے سبب سے تینون کی ٹانگین توڑین اور اس قانونی حکم کی بجائے وہ خود بخود کوئی دوسرا تجویز نہ کر سکتے تھے۔ ہان انجیل کے قصہ سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ چوروں کی ٹانگین توڑی گئین مگر مسیح کی نہ توڑی گئین اور اس کے لئے ایک جھوٹا عذر کر دیا گیا۔ یہ بیان نہیں کیا گیا کہ سپاہیوں کو کیونکر معلوم ہو گیا کہ مسیح مر چکا ہے۔ سکتہ یا غشی کی حالت اور حقیقی موت مین امتیاز کرنا اس قدر مشکل امر ہے کہ اس زمانہ کا ایک ڈاکٹر بھی غلطی کھا سکتا تھا کیونکہ اُس وقت کی ڈاکٹری معلومات اس قدر وسیع نہ تھے لیکن انجیل نویس یہہ چاہتے ہین کہ بغیر چون چرا کے ہم ایک جاہل پولیس کے آدمی کی رائے کو تسلیم کر لین خواہ کیسی ہی مضبوط شہادت اس کی تردید کر رہی ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ بے شک صلیب پر تو موت واقعہ نہ ہوئی تھی لیکن بھالے کا زخم ایسا کاری لگا تھا کہ دل تک پہونچ گیا تھا اور اسی سے حضرت مسیح مر گئے تو اس کے لئے اناجیل سے کوئی شہادت نہین ملتی۔ علاوہ ازین انجیل مین تو یہ لکھا ہے کہ پہلو مین نیزہ چبھویا گیا تھا نہ یہ کہ عین دل کے مقام پر مارا گیا تھا اور نہ ہی یہ کہین لکھا ہے کہ وہ زخم بڑا گہرا تھا دراصل اس طرح پر نیزہ کو عین دل کے مقام پر مارنا کہ اس سے خون باہر کو نکلے بڑے ہنر کو چاہتا ہے اور محض ایک جاہل سپاہی سے یہ امید نہین کی جا سکتی کہ وہ انسانی بدن کی تشریح سے ایسا واقف ہو۔ ہان

جیسے پہلی صورت مین یہ بہانہ کر دیا گیا تہا کہ مسیح صلیب پر مر چکا ہے اس لئے ٹانگین توڑنے کی ضرورت نہین اسی قسم کا یہ دوسرا عذر ہے کہ نیزہ کا زخم ایسا کاری تہا کہ مسیح کی ہلاکت کا باعث ہو گیا لیکن جیسا کہ خون کے بہنے مین پہلے عذر کو جھوٹا ثابت کر دیا اور دکھا دیا کہ مسیح صلیب پر نہین مرا تہا اسی طرح مابعد کے واقعات نے اور کوئی ایسا یقینی طریق اختیار نہ کئے جانے نے جو واقعی موت کا باعث ہو سکتا یہ ثابت کر دیا کہ زخم محض کوئی چھوٹا سا خراش تہا اور اس سے بھی موت واقع نہین ہوئی۔

اس طرح پر ہم دیکھ سکتے ہین کہ جو واقعات اناجیل مین مذکور ہین ان سے مسیح کی موت کی کوئی بھی شہادت نہین ملتی۔ باقی رہے دوسرے تاریخی ذرایع جن پر ہم آگے چلکر غور کرینگے سو ان سے صاف اور یقینی شہادت مسیح کے صلیب سے بچ نکلنے کی ملتی ہے کسی نامعلوم آدمی کا یہ بیان کہ مسیح صلیب پر مر گیا کسی دوسری تردید کا محتاج نہین کیونکہ انجیل نے ہی خون نکلنے کا قصہ بیان کر کے اس کا جھوٹا ہونا ثابت کر دیا اس طرح پر یوحنا کی انجیل اُن تمام لوگوں کے بیان کو جھوٹا ٹھیراتی ہے جو یہہ کہتے ہین کہ مسیح صلیب پر مر گیا تھا اور یقینی طور پر اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ وہ زندہ ہی اتارا گیا۔ اس امر کو عیسائی بھی تسلیم کرنے سے چارہ نہین دیکھتے کیونکہ دوسری صورت مین یوحنا کی انجیل کو ایک افترائے عظیم ٹھیرانا پڑتا ہے۔ اس طرح پر وہ تمام بیانات انجیل کی رو سے اور تاریخ کی رو سے جھوٹے ٹھہرے جن مین یہ مذکور ہے کہ مسیح صلیب پر مر گیا تھا اور جب یہ بیانات جھوٹے ثابت ہو گئے تو اب مسیح کی موت کی کوئی شہادت باقی نہ رہی۔ مردون مین سے مسیح کا جی اٹھنا ایک ایسا امر ہے جو انسانی روزمرہ مشاہدہ کے خلاف ہے اور اس لئے اس کے ثابت کرنے کے لئے شہادت بھی ایسی ہی وزنی اور مضبوط ہونی چاہیے۔ لیکن اگر کسی ایسے آدمی کے زندہ دیکھے جانے کا ثبوت ملے جس کی موت کی کوئی معتبر اور یقینی شہادت ہمارے پاس نہین ہے تو ایسا ثبوت اُس کے مردون مین سے جی اٹھنے کی کوئی دلیل نہین ہان اگر وہ کسی خطرناک حالت مین سے ہو گذرا ہو تو اس کی شفایابی کی یہ دلیل ٹھہر سکتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ بہت لوگ جو مسیح سے بہت زیادہ زیادہ عرصہ صلیب پر لٹکائے گئے وہ بھی جان بر ہو گئے تو کیا پھر ان سب کو مردون مین سے اٹھے ہوئے مان لینگے۔ ایسا محاورہ اگر استعارہ کے طور پر ان کے حق مین بولا جاوے تو اس مین تو چنداں مرج نہین کیونکہ دنیا کے نزدیک وہ مرہی چکے ہوتے ہین انھین معنون

کے رو سے مسیح نے بھی اپنے شاگردوں کو کہا تھا کہ جی اٹھنے کے بعد میں تم سے آگے آگے جلیل کو جاؤں گا۔ اس لئے اگر ان بیانات کو جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسیح صلیب کے بعد بھی چلتا پھرتا دیکھا گیا صحیح تسلیم کیا جاوے تو اس کے حقیقی طور پر مردوں میں سے جی اٹھنے کے لئے اس کی موت کی اعلےٰ درجہ کی مضبوط شہادت اور قوی دلیل چاہیے کیونکہ صرف اس طرح پر دیکھا جانا اس نتیجہ تک نہیں پہونچاتا کہ وہ جی اُٹھا تھا بلکہ اس نتیجہ تک پہونچاتا ہے کہ وہ مرا ہی نہیں تھا لیکن مسیح کی موت کی ایسی مضبوط شہادت جو یقین کے درجہ تک ثبوت کو پہونچا سکے اناجیل میں نہیں پائی جاتی۔ اس لئے اناجیل کی شہادت بجائے جی اٹھنے کے اس کی شفایابی پر شاہد ہے اس قسم کی شہادت کے نہ پائے جانے سے ہر زمانہ میں مسیح کی موت کے متعلق شکوک پیدا ہوتے رہے ہیں بلکہ خود اسی وقت یعنی عین صلیب کے وقت پیلاطوس نے اپنی رائے کا یہ اظہار کیا کہ اتنی جلدی مسیح کیونکر مر گیا اس وقت سے لے کر اس زمانہ تک دوستوں اور دشمنوں کے دلوں میں یہ شکوک پیدا ہوتے رہے کہ مسیح واقعہ میں مرا نہیں اگرچہ ابتدا ہی سے حامیان مذہب عیسائی نے یہ عذر گھڑ لیا تھا کہ مسیح کا اس قدر جلدی مرجانا اس کا معجزہ ہے ورنہ واقعات کے رو سے وہ اس قدر جلدی مر نہ سکتا تھا۔

اناجیل متضاد بیانات کا ایک عجیب نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کرتی ہیں یعنی پہلے تو ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ مسیح صلیب پر مر گیا تھا پھر اس کے بعد خون نکلنے کا واقعہ بیان کر کے یہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ صلیب پر مرا نہیں تھا یہ اختلاف بیان دور نہیں ہو سکتا جب تک یہ تسلیم نہ کیا جاوے کہ پہلا بیان جو صلیب پر موت کے متعلق ہے وہ اگر مسیح کو بچانے کی غرض سے نہیں تو کم از کم ناواقفیت کے سبب سے ہے کیونکہ ایسی صورت میں موت کے متعلق قطعی رائے دینا کسی لائق ڈاکٹر کا کام ہو سکتا ہے جو ہرگز بلایا نہیں گیا اور اگر اس کو ہم تسلیم نہ کریں تو پھر انجیلوں کو مختلف اور متضاد بیانات کا ایک مجموعہ ٹھہرا کر ردی میں پھینکنا پڑے گا۔ اگر انجیلوں میں کوئی اس قسم کا بیان بھی ہوتا کہ خون بہنے کے بعد مسیح مرا تھا تو ایسا بیان البتہ بحث اور غور کے لائق ہوتا اگرچہ پھر بھی یہ شبہ باقی رہتا اور اس اعتراض کی گنجایش ہوتی کہ جیسے مسیح کے صلیب پر مرنے کا بیان خود انجیلوں سے ہی غلط ثابت ہوتا ہے ایسے ہی یہ دوسرا بیان بھی پہلے کی طرح جھوٹا ہے لیکن عیسائیت کے حامیوں کے مشکلات اس سے اور بھی بڑھ گئے

ہین کہ کوئی بیان یا واقع خون نکلنے کے قصّے کے بعد ایسا مذکور نہین جس سے مسیح کی موت کی شہادت ملے اس لئے اس امر کا بار ثبوت کہ مسیح یقینی طور پر مرچکا تھا عیسائی صاحبان کے ذمہ ہے اور جب تک اس کی موت کا قطعی ثبوت پیش نہ کیا جاوے اس کے جی اٹھنے کے قصّے بیان کرنا ایک بے معنی اور لغو حرکت ہے۔

واقعہ صلیب کے بعد یسوع کا دیکھے جانا جیسا کہ ہم مفصل پہلے نمبروں مین بیان کرچکے ہین۔ صاف طور پر دکھاتا ہے کہ مسیح کو کوئی نیا جسم نہین ملا تھا بلکہ یہی انسانی جسم اسی ترکیب سے تھا۔ ہر ایک واقع جو اس کے دیکھا جانے یا ملاقات کرنے کے متعلق واقعہ صلیب کے بعد بیان کیا جاتا ہے۔ اس سے اس کے جسم کا انسانی ترکیب اور انسانی احتیاجات کا پابند ثابت ہونے کے علاوہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اُس کی صحت مین اسیطرح بتدریج ترقی ہوئی جیسے کسی خطرناک مرض سے شفا یافتہ انسان کے صحت پانے کی حالت مین ہوتی ہے سب سے پہلے تو یہی امر قابل غور ہے کہ جب تک دو تین دن گذر نہین جاتے وہ قبر سے باہر نہین نکل سکتا یہ خیال کرنا کہ جی اٹھنے کے لئے اُسے اسقدر وقت درکار تھا اور اس سے پہلے وہ جی نہ سکتا تھا پرلے درجہ کی بیہودگی ہے ہاں سخت کمزوری اور بے ہوشی کے بعد بے شک انسان اس قابل نہیں ہوسکتا کہ جلدی ہی چل پھر سکے سو اس لحاظ سے یہ بالکل صاف بات ہے کہ دو تین دن کے سوائے وہ چلنے پھرنے کے قابل نہ ہوسکتا تھا۔ پھر ہم دیکھتے ہین کہ اُس کے بعد بھی یعنی قبر سے باہر نکلنے کے بعد وہ معاً کوئی بڑا سفر اختیار نہین کرسکا بلکہ پہلے باغ مین چلتا پھرتا رہا پھر آہستہ آہستہ باہر نکلنا شروع کیا اور آخر کار جب کافی طاقت جسم مین دیکھی تو جلیل کا راستہ اختیار کیا جو یہود کے شور و شر اور فتنوں سے امن مین تھا اور جو پہلے سے ہی حواریون کے ساتھ ملاقات کا مقام قرار پاچکا تھا۔ اور پھر ان تمام صورتون مین بھیس بدل کر رہا اور ہمیشہ یہ احتیاط کرتا رہا کہ اس کے دشمنون کو اُس کا پتہ نہ ملجائے۔ علاوہ ازین جسوقت سے یوسف نے اپنے ذمہ اُس کی خبر گیری لی اُسی وقت سے وہ تجربہ کار طبیبون کے زیر علاج رہا یہ محض خیال ہی نہین بلکہ مریم عیسیٰ کی نہایت مضبوط شہادت سے ایک ثابت شدہ امر ہے لیکن اس کا ذکر ہم آگے اس کے اپنے مقام پر چلکر کرینگے اور منجملہ اُن شہادتون کے جو انجیل سے ہم کو ملی ہین انجیل متی کی وہ عبارت ہے جو ہم ذیل مین لکھتے ہین۔ "اور قبرین کھل گئین اور بہت لاشین پاک لوگون کی جو آرام مین تھین اٹھین اور اس کے

اٹھنے کے بعد (یعنی مسیح کے اٹھنے بعد) قبروں میں سے نکلکر اور مقدس شہر میں جاکر بہتوں کو نظر آئین"۔
دیکھو انجیل متی باب ۲۷ آیت ۵۲ - اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ قصہ جو انجیل میں بیان کیا گیا ہے
کہ مسیح کے اٹھنے کے بعد پاک لوگ قبروں میں سے باہر نکل آئے اور زندہ ہوکر بہتوں کو نظر آئے
یہ کسی تاریخی واقعہ کا بیان نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر گویا اسی دنیا میں قیامت نمودار ہو جاتی
اور وہ امر جو صدق اور ایمان دیکھنے کے لئے دنیا پر مخفی رکھا گیا تھا وہ سب پر کھل جاتا اور ایمان
ایمان نہ رہتا اور ہر ایک مومن اور کافر کی نظر میں آنے والے عالم کی حقیقت ایک بدیہی چیز
ہو جاتی جیسا کہ چاند اور سورج اور دن رات کا وجود بدیہی ہے تب ایمان ایسی قیمتی اور قابل قدر
چیز نہ ہوتی جسپر اجر پانے کی کچھ امید ہو سکتی اگر مقدس لوگ اور بنی اسرائیل کے گذشتہ نبی جن
کی تعداد لاکھوں تک پہونچتی ہے سچ مچ واقعہ صلیب کے وقت زندہ ہو گئے تھے اور زندہ ہو
کر شہر میں آگئے تھے اور حقیقت میں مسیح کی سچائی اور خدائی ثابت کرنے کے لئے یہ معجزہ دکھایا
گیا تھا جو صدہا نبیوں اور لاکھوں راستبازوں کو ایک دم میں زندہ کر دیا گیا تو اس صورت
میں یہودیوں کو یہ ایک عمدہ موقعہ ملا تھا کہ وہ زندہ شدہ نبیوں اور دوسرے راستبازوں اور
اپنے فوت شدہ باپ دادوں سے مسیح کی نسبت دریافت کرتے کہ کیا یہ شخص جو خدائی کا دعوی
کرتا ہے درحقیقت خدا ہے یا کہ اپنے اس دعوے میں جھوٹا ہے اور قرین قیاس ہے کہ اس موقعہ
کو انہوں نے ہاتھ سے نہ دیا ہوگا اور ضرور دریافت کیا ہوگا کہ یہ شخص کیسا ہے کیونکہ یہودی ان باتوں
کے بہت حریص تھے کہ اگر مردے دنیا میں دوبارہ آجائیں تو ان سے دریافت کریں تو پھر جس حالت میں
لاکھوں مردے زندہ ہوکر شہر میں آگئے اور ہر ایک محلہ میں ہزاروں مردے چلے گئے تو ایسے موقعہ کو یہودی
کیونکر چھوڑ سکتے تھے ضرور انھوں نے نہ ایک دو سے بلکہ ہزاروں سے پوچھا ہوگا اور جب یہ مردے
اپنے اپنے گھروں میں داخل ہوئے ہونگے تو ان لاکھوں انسانوں کے دنیا میں دوبارہ آنے سے
گھر گھر میں شور پڑ گیا ہوگا اور ہر ایک گھر میں یہی شغل اور یہی ذکر اور یہی تذکرہ شروع ہو گیا ہوگا کہ مردوں سے
پوچھتے ہونگے کہ کیا آپ لوگ اس شخص کو جو یسوع مسیح کہلاتا ہے حقیقت میں خدا جانتے ہیں - مگر چونکہ
مردوں کی اس گواہی کے بعد جیسا کہ امید تھی یہودی حضرت مسیح پر ایمان نہیں لائے اور نہ کچھ نرم دل ہوئے
بلکہ اور بھی سخت دل ہو گئے تو غالباً معلوم ہوتا ہے کہ مردوں نے کوئی اچھی گواہی نہیں دی بلکہ بلا توقف یہ جواب

دیا ہوگا کہ یہ شخص اپنے اس دعوے خدائی مین بالکل جھوٹا ہے اور خدا پر بہتان باندہتا ہے - تبھی تو لاکھوں انسانوں بلکہ پیغمبروں اور رسولوں کے زندہ ہونے کے بعد بھی یہودی اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے اور حضرت مسیح کو مار کر پھر دوسروں کے قتل کیطرف متوجہ ہوئے - بھلا یہ بات سمجھ آسکتی ہے کہ لاکھوں راستباز کہ جو حضرت آدم سے لیکر حضرت یحییٰ تک اس زمین پاک کی قبرون میں سوئے ہوئے تھے وہ سب کے سب زندہ ہو جائیں اور پھر وعظ کرنے کے لئے شہر میں آئین اور ہر ایک کھڑا ہو کر ہزارہا انسانوں کے سامنے یہ گواہی دے کہ درحقیقت یسوع مسیح خدا کا بیٹا بلکہ خود خدا ہے اسی کی پوجا کیا کرو اور پہلے خیالات چھوڑ دو ورنہ تمہارے لئے جہنم ہے جسکو خود ہم دیکھکر آئے ہین - اور پھر باوجود اس اعلیٰ درجہ کی گواہی اور شہادت رویت کے جو لاکھوں راستباز مردوں کے مُنہ سے نکلی یہودی اپنے انکار سے باز نہ آئین - ہمارا کانشنس تو اس بات کو نہین مانتا - پس اگر فی الحقیقت لاکھوں راستباز فوت شدہ پیغمبر اور رسول وغیرہ زندہ ہو کر گواہی کے لئے شہر میں آئے تھے تو کچھ شک نہین کہ انہون نے کچھ اُلٹی ہی گواہی دی ہوگی اور ہرگز حضرت مسیح کی خدائی کو تصدیق نہین کیا ہوگا - تبھی تو یہودی لوگ مردونکی گواہیوں کو سنکر اپنے کفر پر پکے ہو گئے اور حضرت مسیح تو اُن سے خدائی منوانا چاہتے تھے مگر وہ تو اس گواہی کے بعد نبوت سے بھی منکر ہو بیٹھے -

غرض ایسے عقیدے نہایت مضر اور بد اثر ڈالنے والے ہین کہ ایسا یقین کیا جائے کہ یہہ لاکھوں مردے یا اس سے پہلے کوئی مردہ حضرت مسیح نے زندہ کیا تھا کیونکہ ان مردوں کے زندہ ہونے کے بعد کوئی نیک نتیجہ پیدا نہین ہوا - یہ انسان کی فطرت مین ہے کہ اگر مثلاً کوئی شخص کسی دور دراز ملک مین جاتا ہے اور چند برس کے بعد اپنے شہر مین واپس آتا ہے تو طبعاً اس کے دل مین یہ جوش ہوتا ہے کہ اس ملک کے عجائب غرائب لوگوں کے پاس بیان کرے اور اس ملک و ولایت کے عجیب و غریب واقعات سے ان لوگوں کو اطلاع دے نہ یہ کہ اتنی مدت کی جدائی کے بعد جب اپنے لوگوں کو ملے تو زبان بند رکھے اور گنگوں کی طرح بیٹھا رہے بلکہ ایسے موقعہ مین دوسرے لوگوں میں بھی فطرتاً یہ جوش پیدا ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے پاس دوڑے آتے ہین اور اس ملک کے حالات اس سے پوچھتے ہین اور اگر ایسا اتفاق ہو کہ ان لوگونکے ملک مین کوئی غریب شکستہ حال وارد ہو جسکی ظاہری حیثیت غریبانہ ہو اور وہ دعویٰ کرتا ہو کہ مین اس ملک کا بادشاہ ہون جس کے پایہ تخت کا سیر کرکے یہ لوگ آئے ہین - اور مین فلان فلان بادشاہ سے بھی اپنے شاہانہ مرتبہ مین

ادل درجہ پر ہوں تو لوگ ایسے سیاحوں سے ضرور پوچھا کرتے ہیں کہ بھلا یہ تو بتلائیے کہ فلاں شخص جو ان دنوں میں ہمارے ملک میں اُس ملک سے آیا ہوا ہے کیا یہ سچ مچ اس ملک کا بادشاہ ہے اور پھر وہ لوگ جیسا کہ واقعہ ہو بتلا دیا کرتے ہیں تو اس صورت میں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے حضرت مسیح کے ہاتھ سے مردوں کا زندہ ہونا فقط اس حالت میں قابل پذیرائی ہوتا جبکہ وہ گواہی جو ان سے پوچھی گئی ہوگی جس کا پوچھنا ایک طبعی امر ہے کوئی مفید نتیجہ بخشتی۔ لیکن اِس جگہ ایسا نہیں ہے پس ناچار اسبات کے فرض کرنیسے کہ مردہ زندہ ہوئے تھے اس بات کو بھی ساتھ ہی فرض کرنا پڑتا ہے کہ اُن مردوں نے حضرت مسیح کے حق میں کوئی مفید گواہی نہیں دی ہوگی جس سے اُن کی سچائی تسلیم کیجاتی۔ بلکہ ایسی گواہی دی ہوگی جس سے اور بھی فتنہ بڑھگیا ہوگا۔ کاش اگر انسانوں کی جگہ دوسرے چارپائیوں کا زندہ کرنا بیان کیا جاتا تو اس میں بہت کچھ پردہ پوشی متصور تھی مثلاً یہ کہا جاتا کہ حضرت مسیح نے کئی ہزار بیل زندہ کئے تھے تو یہ بات بہت معقول ہوتی اور کسی کے اعتراض کیوقت جب کہ مذکورہ بالا اعتراض کیا جاتا یعنی یہ کہا جاتا کہ ان مردوں کی گواہی کا نتیجہ کیا ہوا تو ہم فی الفور کہہ سکتے کہ وہ تو بیل تھے ان کی زبان کہاں تھی جو بھلی یا بری گواہی دیتے بھلا وہ تو لاکھوں مردہ تھے جو حضرت مسیح نے زندہ کئے آج مثلاً چند ہندؤں کو بلاکر پوچھو کہ اگر تمہارے فوت شدہ باپ دادے دس بیس زندہ ہوکر دنیا میں واپس آجائیں اور گواہی دیں کہ فلاں مذہب سچا ہے تو کیا پھر بھی تم کو اس مذہب کی سچائی میں شک باقی رہ جائے گا۔ تو ہرگز نفی کا جواب نہیں دیں گے۔ پس یقیناً سمجھو کہ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں کہ اس قدر انکشاف کے بعد پھر بھی اپنے کفر اور انکار پر اڑا رہے افسوس ہے کہ ایسی کہانیوں کی بندش میں ہمارے ملک کے سکھ خالصہ عیسائیوں سے اچھے رہے اور انہوں نے ایسی کہانیوں کے بنانے میں خوب ہوشیاری کی۔ کیونکہ وہ بیان کرتے ہیں کہ اُن کے گرو بابا نانک نے ایک دفعہ ایک ہاتھی مردہ زندہ کیا تھا۔ اب یہ اس قسم کا معجزہ ہے کہ نتائج مذکورہ کا اعتراض اُس پر وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ سکھ کہہ سکتے ہیں کہ کیا ہاتھی کی کوئی بولنے والی زبان ہے کہ تا بابا نانک کی تصدیق یا تکذیب کرتا غرض عوام تو اپنی چھوٹی سی عقل کی وجہ سے ایسے معجزات پر بہت خوش ہوتے ہیں مگر عقلمند غیر قوموں کے اعتراضوں کا نشانہ بن کر کوفتہ خاطر ہوتے ہیں اور جس مجلس میں ایسی بیہودہ کہانیاں کی جائیں وہ بہت شرمندہ ہوتے ہیں

اب چونکہ ہم کو حضرت مسیح علیہ السلام سے ایسا ہی محبت اور اخلاص کا تعلق ہے جیسا کہ عیسائیوں کو تعلق ہے بلکہ ہم کو بہت بڑھ کر تعلق ہے کیونکہ وہ نہین جانتے کہ وہ کس کی تعریف کرتے ہین مگر ہم جانتے ہین کہ ہم کس کی تعریف کرتے ہین کیونکہ ہم نے اُن کو دیکھا ہے لہذا ہم اس عقیدہ کی اصل حقیقت کو کھولتے ہین کہ جو انجیلوں میں لکھا ہے کہ صلیب کے واقعہ کے وقت تمام راستباز فوت شدہ زندہ ہوکر شہر میں آگئے تھے۔

پس واضح ہو کہ یہ ایک کشفی امر تھا جو صلیب کے واقعہ کے بعد بعض پاک دل لوگوں نے خواب کیطرح دیکھا تھا کہ گویا مُقدّس مردے زندہ ہوکر شہر مین آگئے ہین اور لوگوں سے ملاقاتین کرتے ہین اور جیسا کہ خوابوں کی تعبیر خدا کی پاک کتابوں مین کیگئی ہے مثلاً جیسا کہ حضرت یوسف کی خواب کی تعبیر کی گئی ہے ایسا ہی اس خواب کی بھی ایک تعبیر تھی۔ اور وہ یہ تعبیر تھی کہ مسیح صلیب پر نہین مرا اور خدا نے اس کو صلیب کی موت سے نجات دے دی۔ اور اگر ہم سے یہ سوال کیا جائے کہ یہ تعبیر تمہین کہان سے معلوم ہوئی تو اسکا یہ جواب ہے کہ فن تعبیر کے اماموں نے ایسا ہی لکھا ہے اور تمام معبرین نے اپنے تجربہ سے اس پر گواہی دی ہے چنانچہ ہم قدیم زمانہ کے ایک امام فن تعبیر یعنی صاحب کتاب تعطیر الانام کی تعبیر کو اس کی اصل عبارت کے ساتھ ذیل مین لکھتے ہین اور وہ یہ ہے۔ مِنْ رَاٰی اِنَّ الْمَوْتٰی دَبُّوا مِنْ قُبُوْرِھِمْ وَرَجَعُوْا اِلٰی دُوْرِھِمْ فَاِنَّہٗ یُطْلَقُ مَنْ فِی السِّجْنِ۔ دیکھو کتاب تعطیر الانام فی تعبیر المنام مصنفہ کتب الزمان شیخ عبدالغنی النابلسی صفحہ ۲۸۹۔ ترجمہ۔ اگر کوئی یہ خواب دیکھے یا کشفی طور پر مشاہدہ کرے کہ مردے قبروں سے نکل آئے اور اپنے گھروں کیطرف رجوع کیا تو اس کی یہ تعبیر ہے کہ ایک قیدی قید سے رہائی پائے گا اور ظالموں کے ہاتھ سے اس کو خلاصی حاصل ہوگی۔ طرز بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا قیدی ہوگا کہ ایک شان اور عظمت رکھتا ہوگا۔ اب دیکھو یہ تعبیر کیسی معقولی طور پر حضرت مسیح علیہ السلام پر صادق آتی ہے اور فی الفور سمجھ آجاتا ہے کہ اسی اشارہ کے ظاہر کرنے کے لئے فوت شدہ راستباز زندہ ہوکر شہر مین داخل ہوتے نظر آئے کہ تا اہل فراست معلوم کرین کہ حضرت مسیح صلیبی موت سے بچائے گئے

اور منجملہ ان انجیلی شہادتوں کے جو ہمکو ملی ہین انجیل متی کی وہ عبارت ہے جو ذیل مین لکھی جاتی ہے۔ "مین تمسے سچ کہتا ہون کہ ان مین سے جو یہان کھڑے ہین بعضے ہین کہ جبتک ابن آدم کو اپنی بادشاہت مین آتے دیکھ نہ لین موت کا مزہ نہ

چکھینگے" دیکھو انجیل متی باب ۱۶ - آیت ۲۸ - ایسا ہی انجیل یوحنا کی یہ عبارت ہے یسوع نے اُسے کہا کہ اگر مین چاہوں کہ جب تک میں آؤن وہ (یعنی یوحنا حواری) یہیں ٹھہرے یعنی یروشلم مین - دیکھو یوحنا باب ۲۱ آیت ۲۲ - یعنے اگر میں چاہوں تو یوحنا نہ مرے جب تک میں دوبارہ آؤں - ان آیات سے بکمال صفائی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے وعدہ کیا تھا کہ بعض لوگ اسوقت زندہ رہینگے جب تک کہ وہ پھر واپس ہو اور اُن زندہ رہنے والوں مین سے یوحنا کو بھی قرار دیا تھا - سو ضرور تھا کہ یہ وعدہ پورا ہوتا - چنانچہ عیسائیوں نے بھی اسبات کو مان لیا ہے کہ یسوع کا اس زمانہ مین جبکہ بعض اہل زمانہ زندہ ہوں پیشگوئی کے پورا کرنے کیلئے آنا نہایت ضروری تھا تا وعدہ کیموافق پیشگوئی ظہور مین آوے - اسی بنا پر پادریصاحبوں کو اس بات کا اقرار ہے کہ یسوع اپنے وعدہ کیموافق یروشلم کی بربادی کیوقت آیا تھا اور یوحنا نے اسکو دیکھا تھا کیونکہ وہ اسوقت تک زندہ تھا مگر یاد رہے کہ عیسائی اس بات کو نہین مانتے کہ مسیح اسوقت حقیقی طور پر اپنے قرار دادنشانوں کیموافق آسمانسے نازل ہوا تھا بلکہ وہ کہتے ہین کہ ایک کشفی رنگ مین یوحنا کو نظر آگیا تا اپنی اس پیشگوئی کو پورا کرے جو متی باب ۱۶ آیت ۲۸ میں ہے مگر مین کہتا ہوں کہ اس قسم کے آپنسے پیشگوئی پوری نہین ہوسکتی یہ تو نہایت ضعیف تاویل ہے - گویا نکتہ چینیوں سے نہایت تکلف کیساتھ اپنا پیچھا چھڑانا ہے - اور یہ معنے اسقدر غلط اور بدیہی البطلان ہیں کہ رد کرنیکی بھی حاجت نہیں کیونکہ اگر مسیح نے خواب یا کشف کے ذریعہ سے کسی پر ظاہر ہونا تھا تو پھر ایسی پیشگوئی گویا ایک ہنسی کی بات ہے + اسطرح تو ایک مدت اس سے پہلے حضرت مسیح پولوس پر ظاہر ہو چکے تھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئی جو متی باب ۱۶ آیت ۲۸ میں ہے اس نے پادری صاحبوں کو نہایت گھبراہٹ مین ڈال رکھا ہے اور وہ اپنے عقیدہ کیموافق کوئی معقول معنے اس کے نہین کرسکتے - کیونکہ یہ کہنا انکے لئے مشکل ہے کہ مسیح یروشلم کی بربادی کیوقت اپنے جلال کیساتھ آسمانسے نازل ہوا تھا اور جسطرح آسمان پر ہر ایک چمکنے والی بجلی سبکو نظر آجاتی ہے سب نے اُسکو دیکھا تھا اور انجیل کے اس فقرہ کو بھی نظر انداز کرنا اُن کے لئے آسان نہ تھا کہ اُن میں سے جو یہان کھڑے ہیں بعضے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اپنی بادشاہت

+ مین نے بعض کتابون مین دیکھا ہے کہ اس زمانہ کے مولوی عیسائیونسے بھی زیادہ متی باب ۱۶ آیت ۲۸ کے پرتکلف معنے کرتے ہین وہ کہتے ہین کہ جبکہ مسیح نے اپنے آنیکے لئے یہ شرط لگادی تھی کہ بعض شخص اس زمانہ کے زندہ ہونگے اور ایک حواری بھی زندہ ہوگا جب مسیح آئے گا تو اس صورت مین ضروری ہے کہ وہ حواری اب تک زندہ ہو کیونکہ مسیح ابتک نہیں آیا اور وہ خیال کرتے ہین کہ وہ حواری کسی پہاڑ مین پوشیدہ طور پر مسیح کے انتظار مین چھپ کر بیٹھا ہوا ہے - منہ

مین آتے دیکھ نہ لین موت کا مزہ نہ چکھین گے لہذا نہایت تکلف سے اس پیشگوئی کو کشفی رنگ میں مانا گیا مگر یہ نادرست ہے کشفی طور پر تو ہمیشہ خدا کے برگزیدہ بندے خاص لوگوں کو نظر آجایا کرتے ہین۔ اور کشفی طور میں خواب کی بھی شرط نہیں بلکہ بیداری مین ہی نظر آجاتے ہین چنانچہ مین خود اس میں صاحب تجربہ ہوں میں نے کئی دفعہ کشفی طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کو دیکھا ہے۔ اور اور بعض نبیوں سے بھی میں نے عین بیداری مین ملاقات کی ہے اور میں نے اپنے سید و مولےٰ اپنے امام نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کئی دفعہ عین بیداری مین دیکھا ہے اور باتین کی ہین اور ایسی صاف بیداری سے دیکھا ہے جس کے ساتھ خواب یا غفلت کا نام و نشان نہ تھا اور مین نے بعض اور وفات یافتہ لوگوں سے بھی اُن کی قبر پر یا اور موقعہ پر عین بیداری مین ملاقات کی ہے اور ان سے باتین بھی کی ہیں میں خوب جانتا ہوں کہ اس طرح پر عین بیداری مین گذشتہ لوگوں کی ملاقات ہو جاتی ہے اور نہ صرف ملاقات بلکہ گفتگو ہوتی ہے اور مصافحہ بھی ہوتا ہے اور اس بیداری اور روزمرہ کی بیداری مین لوازم حواس مین کچھ بھی فرق نہیں ہوتا۔ دیکھا جاتا ہے کہ ہم اسی عالم مین ہین اور یہی کان ہین اور یہی آنکھین ہین اور یہی زبان ہے مگر غور سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عالم اور ہے اور دنیا اس قسم کی بیداری کو نہین جانتی کیونکہ دنیا غفلت کی زندگی میں پڑی ہے یہ بیداری آسمان سے ملتی ہے یہ ان کو دی جاتی ہے جن کو نئے حواس ملتے ہیں یہ ایک صحیح بات ہے اور واقعات خفیہ مین سے ہے پس اگر مسیح اسی طرح پر دشمن کی بربادی کے وقت یوحنا کو نظر آیا تھا تو گو وہ بیداری مین نظر آیا ہو اور گو اس سے باتین بھی کی ہوں اور مصافحہ کیا ہو تاہم وہ واقعہ اس پیشگوئی سے کچھ بھی تعلق نہین رکھتا بلکہ یہ وہ امور ہین جو ہمیشہ دنیا مین ظاہر ہوتے رہتے ہین اور اب بھی اگر ہم توجہ کرین تو خدا کے فضل سے مسیح کو یا اور کسی مقدس نبی کو عین بیداری مین دیکھ سکتے ہین لیکن ایسی ملاقات سے متی باب ۱۶ آیت ۲۸ کی پیشگوئی ہرگز پوری نہین ہو سکتی سو اصل حقیقت یہ ہے کہ چونکہ مسیح جانتا تھا کہ میں صلیب سے بچ کر دوسرے ملک مین چلا جاؤن گا اور خدا نہ مجھے ہلاک کرے گا اور نہ دنیا سے اُٹھائے گا جب تک کہ مین یہودیوں کی بربادی اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں اور جب وہ بادشاہت جو برگزیدوں کے لئے آسمان مین مقرر ہوتی ہے اپنے نتائج نہ دکھا دے مین ہرگز وفات نہین پاؤن گا اس لئے مسیح نے

یہ پیشگوئی کی تا اپنے شاگردوں کو اطمینان دے کہ عنقریب تم میرا یہ نشان دیکھو گے کہ جنہوں نے مجھپر تلوار اُٹھائی وہ میری زندگی اور مشافہ مین تلوارون سے ہی قتل کئے جائین گے سو اگر ثبوت کچھہ چیز ہے تو اس سے بڑھکر عیسائیوں کے لئے اور کوئی ثبوت نہین کہ مسیح اپنے منہ سے پیشگوئی کرتا ہے کہ ابھی تم مین سے بعض زندہ ہوں گے کہ میں پھر آؤن گا۔

یاد رہے کہ انجیلوں میں دو قسم کی پیشگویاں ہین جو حضرت مسیح کے آنے کے متعلق ہین۔ (۱) ایک وہ جو آخری زمانہ مین آنے کا وعدہ ہے وہ وعدہ روحانی طور پر ہے اور وہ آنا اسی قسم کا آنا ہے جیساکہ ایلیا نبی مسیح کے وقت دوبارہ آیا تھا سو وہ ہمارے اس زمانہ مین ایلیا کی طرح آچکا اور وہ یہی راقم ہے جو خادم نوع انسان ہے جو مسیح موعود ہوکر مسیح علیہ السلام کے نام پر آیا ہے۔ اور مسیح نے میری نسبت انجیل میں خبر دی ہے۔ سو مبارک وہ جو مسیح کی تعظیم کے لئے میرے باب میں دیانت اور انصاف سے غور کرے۔ اور ٹھوکر نہ کھاوے۔ (۲) دوسری قسم کی پیشگویاں جو مسیح کے دوبارہ آنے کے متعلق انجیلون میں پائی جاتی ہین وہ درحقیقت مسیح کی اس زندگی کے ثبوت کے لئے بیان کی گئی ہین جو صلیب کے بعد خدا تعالےٰ کے فضل سے قائم اور بحال رہی اور صلیبی موت سے خدا نے اپنے برگزیدہ کو بچالیا جیساکہ یہ پیشگوئی جو ابھی بیان کی گئی۔ عیسائیوں کی یہ غلطی ہے کہ ان دونوں مقاموں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیتے ہین۔ اور اسی وجہ سے بڑی گھبراہٹ اور طرح طرح کے مشکلات اُن کو پیش آتے ہین۔ غرض مسیح کے صلیب سے بچ جانے کے لئے یہ آیت جو متی ۱۶ باب میں پائی جاتی ہے بڑا ثبوت ہے۔

نوٹ اور ریویو

اعلیٰ طبقہ کے عیسائی محققین اور پادری - ایک لکچر کے متعلق جو ڈاکٹر راؤس نے کلکتہ مین عیسائی کانفرنس کے موقعہ پر "بائیبل کی اعلیٰ درجہ کی تحقیقات" کے مضمون پر دیا + ایک پادریوں کا میگزین ہارورسٹ فیلڈ یون لکھتا ہے -

"ہم یقین رکھتے ہین کہ سچائی اور ہندوستان مین کلیسیا کی بہبودی کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ بائیبل کے کلام الہی ہونے کے متعلق جو اعتقاد کلیسیا کے عالم فاضل محقق رکھتے ہیں اسپر زیادہ توجہ کیجاوے - ہم خود اخبار انڈین ڈٹنس کی دانشمندانہ رائے سے بکلی اتفاق رکھتے ہیں جو لکھتا ہے کہ بہت مدت سے ہم اس امر کو محسوس کر رہے ہیں کہ یہ بڑی بیوقوفی ہوگی اور ہندوستانی کلیسیا اور خصوصاً ان تعلیم یافتہ نوجوانوں کے حق مین جو بکثرت آگے بڑھ رہی ہیں پرلے درجہ کی بے انصافی ہوگی کہ ان سے اُس انقلاب عظیم کا علم عمداً چھپایا جاوے جو مغرب مین بائیبل کیمتعلق شروع ہوگیا ہے یہ نقینی بات ہے کہ اگر سازش کیطور پر اس معاملہ مین خاموشی اختیار کیگئی تو پھر آخر کار خود بخود طبیعتین ایسی طور پر اس انقلاب کو قبول کرنیکے لئے تیار ہوجاوینگی کہ جسکا نتیجہ عیسائیت کے لئے بہت مضر ہوگا - کلیسیا کے ہندوستانی عہدہ دار وں کا بڑا حصہ بائیبل کیمتعلق ان نئے اعتقادات سے بالکل بیخبر ہے جو یورپ اور امریکہ میں کثرت سے مشنری لوگ کہتے ہیں - جیساکہ کانفرنس کے موقعہ پر ایک لکچرار نے بیان کیا کہ بہت سارے نوجوان کلیسیا کیلئے اسوقت طیار کئے جارہے ہیں جنکو بائیبل کیمتعلق یہ تعلیم دیجاتی ہے کہ اس کے الفاظ الہامی ہین اور یہ غلطیونسے بالکل پاک ہے اس قسم کی تعلیم دینا بڑی بیوقوفی کے ساتھ دشمن کیمقابل میں بازی ہار دینا ہے اور صداقت کے برخلاف یہ ایک بڑی بغاوت ہے کہ بائیبل کو غلطیوں سے پاک اور اس کے الفاظ کو خدا کا کلام کہا جائے -"

اس طرح پر بائیبل موجودہ تحقیقات کے زبردست رو کے سامنے ایک تنکے کیطرح بہ گئی ہے اور اسی قابل یہ تھی - موجودہ اعتقاد عیسائی مذہب کا اس کے متعلق یہ ہے کہ نہ تو یہ خدا کا کلام ہے اور نہ ہی غلطیوں سے پاک ہے اور ہمیں اس سے بھی خوشی ہے کہ پادری صاحبان نے بھی اس اعتقاد کی

سچائی کو تسلیم کر لیا ہے مگر یہ ابھی تک ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی کتاب کو پھر مدار نجات کیوں ٹھہرا رکھا ہے جو خود غلطیوں سے پاک نہیں وہ دوسرے کو کیونکر پاک کر سکتا ہے۔ اور خود تجربہ اسپر شاہد ہے کہ بائیبل انسانوں کو غلطیوں اور گناہوں سے پاک کرنے میں ناکام ثابت ہوئی ہے علاوہ ازیں اگر بائیبل کے بعض حصوں میں غلطیاں ہیں اور بعض میں سچائیاں۔ تو عیسائیوں کے ہاتھ میں کونسی کسوٹی ہے جس سے وہ غلطیوں کو سچائیوں سے الگ کر سکتے ہیں۔ اگر عقل کو ایسی کسوٹی مانا جائے تو پھر عیسائیوں کو صاف طور پر تسلیم کرنا چاہیئے کہ انکے مذہب کی بنا وحی الہی پر نہیں ہے بلکہ عقل پر ہے۔ لیکن اگر ایسی کسوٹی وحی الہی کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتی تو یقیناً کسی سچی پاکیزہ اور قابل اعتبار وحی الہی کی جو تمام غلطیوں سے پاک ہو ضرورت ہے تاکہ وہ بائیبل کی غلطیوں کو الگ کر کے پھینکدے اور سچائیوں کو لیلے ایسی وحی الہی صرف ایک ہی کتاب میں پائی جاتی ہے کیونکہ قرآن شریف ہی صرف ایک ایسی کتاب ہے جسنے یہ دعوے کیا ہے کہ وہ خدا کا سچا اور خالص کلام ہے جس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں ہے اور ہر ایک جھوٹ سے اور باطل سے پاک ہے قرآن کریم ہی ہے جسنے پہلے دنیا پر یہ امر واضح کیا کہ بائیبل ایک محرف مبدل کتاب ہے اور اس طرح پر اپنی ضرورت کو ثابت کیا جو خالص اور سچا کلام الہی ہے۔ یہ امر بڑا خوشی دینوالا ہے کہ بائیبل کیمتعلق جو دعوے قرآن کریم نے کیا تھا اسی کو آخر عیسائیوں نے سنتے کہ پادریوں نے بھی تسلیم کر لیا۔ ہاں ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ایسی کتاب کو جو بموجب اعتقاد عیسائی صاحبان غلطیوں سے پاک نہیں دنیا میں پھیلانے کے لئے اس قدر جوش کیوں دکھایا جاتا ہے۔ کیا یہ ٹھیک ہے کہ غلطیوں کو دنیا میں پھیلا کر وہ دنیا کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں محققین مذہب عیسائی کی رائے کو اور بائیبل کی غلطیوں کو تسلیم کر کے عیسائی مذہب ایک دم کے لئے بھی قایم نہیں رہ سکتا۔ سب سے بڑی معتبر کتاب میں جس میں بائیبل کے متعلق موجودہ خیالات اور اعتقادات کو ظاہر کیا گیا ہے یعنی انسکلوپیڈیا بیبلیکا یا مخزن العلوم بائیبل جو ولایت میں عیسائیوں کے اہتمام میں چھپ رہی ہے۔ کالم ۱۸۸۱ جلد ۲ میں یہ لکھا ہے کہ تمام انجیلوں میں صرف پانچ فقرے یسوع کے متعلق ایسے ہیں جو بالکل قابل اعتبار مانے جا سکتے ہیں اور وہ پانچ فقرے حسب ذیل ہیں

اول مرقس ۱۰/۱۷ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں سوائے خدا کے۔ دوئیم متی ۱۲/۳۱ کا بیان کہ ابن آدم کے متعلق گناہ بخشا جا سکتا ہے۔ سویم مرقس ۳/۲۱ کا

بیان کہ یسوع کے رشتہ دار اسے پاگل سمجھتے تھے چہارم مرقس ۳/۲۱ اس دن اور اُس گھڑی کو کوئی نہیں جانتا (یعنی قیامت کو) نہ آسمان کے فرشتے اور نہ بیٹا ہی۔ بلکہ صرف باپ پنجم مرقس ۱۵/۳۴ اور متی ۲۷/۴۶ میرے خدا میرے خدا تو نے کیوں مجھے چھوڑ دیا ہے۔ اس کے بعد پروفیسر شمیدل جو کہ زیورچ کی یونیورسٹی میں تفسیر انجیل کا پروفیسر ہے لکھتا ہے کیونکہ اس سارے مضمون کا لکھنے والا ہی کلیسیا کا عظیم الشان عہدہ دار ہے کہ یہ فقرے جنکو یسوع کی علمی زندگی کے بنیادی پتھر کہا جاسکتا ہے قطعی طور پر اس امر کو ثابت کرتے ہیں کہ یسوع کی ذات میں ہمارا معاملہ ایک خالص انسان کے ساتھ ہے اور یہ کہ اگر کوئی الوہیت اس میں ہے تو وہ اسی رنگ میں ہے جسمیں کہ وہ انسانوں میں پائی جاتی ہے"۔ یعنی یسوع میں کوئی نرالی الوہیت نہیں بلکہ اسی قسم کی ہے۔ جیسے دوسرے برگزیدوں میں پائی جاتی ہے ہم امید رکھتے ہیں کہ پادری صاحبان ان عظیم الشان سچائیوں کا صاف صاف اقرار کرکے مشتہر کردینگے اور یسوع کی خدائی کے جھوٹے عقیدے پر لعنت ڈالینگے۔

روح اللہ۔ عیسائی اخبار ایپی فینی کا ایک نامہ نگار جو اپنے آپ کو ہندو ظاہر کرتا ہے ۱۸۔ اپریل ۱۹۰۳ء کے اخبار میں لکھتا ہے کہ مسلمانوں کے قرآن میں چار پیغمبروں" یعنی ابراہیم۔ موسیٰ۔ عیسیٰ اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم" کے ناموں کے بعد خاص خطاب خلیل اللہ۔ کلیم اللہ۔ روح اللہ۔ اور حبیب اللہ استعمال کئے گئے ہیں" اور ایڈیٹر اخبار مذکور بھی اس تحریر کو بغیر کسی نوٹ کے چھاپنے سے اسی کی تائید کرتا ہے۔ قرآن کریم سے ایسی جہالت اور ناواقفیت خصوصاً جبکہ ان تحریروں کو مخالفت کے رنگ میں ہزارہا انسانوں میں شایع کیا جاتا ہے نہایت ہی قابل افسوس ہے امر واقعہ یہ ہے کہ ان کلمات میں سے کوئی کلمہ بھی نہ ان نبیوں کے نام کے بعد اور نہ ہی کسی اور نبی کے نام کے بعد استعمال کیا گیا ہے اسمیں شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ کی پیدایش کا ذکر کرتے ہوئے قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے روح منہ فرمایا ہے مگر یہ بالکل الگ بات ہے ان الفاظ کا منشا تو صرف اس اعتراض کو دور کرتا ہے جو یسوع کی پیدایش کو ناپاک اور ناجائز قرار دیتا ہے۔ یسوع کی پیدایش کے متعلق یہودیوں کا یہ نہایت ہی ناپاک اعتراض چلا آتا تھا۔ کہ اسکی ولادت ناجائز ہے اور اسلئے قرآن شریف کے لئے ضروری تھا کہ قبل اسکو پیغمبر منوانے کے اس ناپاک اعتراض کا دفعیہ کرتا۔ ہر ایک انسان سمجھ سکتا ہے کہ جو روح ناجائز تعلق کیوجہ سے خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون نکاح کے خلاف ہو دنیا میں آئے اسکو استعارہ کے رنگ میں شیطانی روح کہا جائیگا۔ چنانچہ یہودی حضرت مسیح کی نسبت بعینہ یہ الفاظ استعمال کرتے تھے۔ اور اس ناپاک حملے کو دور کرنیکے لئے قرآن شریف نے یہ فرمایا کہ اسکی روح شیطانی نہیں بلکہ خدا کیطرف سے ہے

یعنی پاک روح ہے۔ ناپاک روح کو دوسرے موقعہ پر قرآن شریف نے شیطانی روح ٹھہرایا ہے اس سے ظاہر ہے کہ کیوں اسی قسم کے الفاظ دوسرے انبیا کی نسبت استعمال نہیں کئے گئے۔ کسی نبی کی پیدایش کے متعلق ناجائز ولادت کی ناپاک تہمت نہیں لگائی گئی سوائے حضرت مسیح کے اور اس لئے صرف مسیح کیصورت میں ہی قرآن شریف کو یہ کہنے کی ضرورت پیش آئی کہ اس کی ولادت پاک ہے اور اس کی روح خدا کی طرف سے ہے نہ شیطانی۔ دوسرے انبیاء کی مدح کو کبھی کسی نے شیطانی نہیں کہا اس لئے قرآن شریف کو ضرورت نہ تھی کہ انکی نسبت کسی ایسے اعتراض کاذب کرنے کے لئے وہ الفاظ استعمال کرتا۔ جو حضرت مسیح کے لئے کئے۔ غرض کہ حضرت عیسیٰ کی نسبت لفظ روح منہ کے استعمال سے قرآن کریم کی غرض صرف رفع اعتراض ولادت ناجائز ہے اور کچھ نہیں۔ قرآن کریم کے الفاظ ضرورت کے مطابق نازل ہوئے ہیں اور یہ لفظ جو حضرت مسیح کی نسبت بیان فرمائے تو ضرورت یہی پیش آئی تھی کہ ان کی ولادت کو ناپاک کہا گیا تھا۔ اس اعتراض کو رفع کرکے قرآن شریف نے حضرت مسیح کی ولادت کو ایسا ہی پاک قرار دیا ہے جیسے کہ دوسرے انبیا کی ولادت اس کے نزدیک پاک ہے اسی کی تائید میں ہم یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت مریم کو قرآن شریف کا صدیقہ کہنا بھی اسی بات کیطرف اشارہ ہے۔ ایسا لفظ حضرت مریم کی نسبت استعمال کرنیسے یہ غرض نہیں کہ مریم کے سوائے کوئی عورت صدیقہ نہیں ہوئی بلکہ غرض صرف یہی ہے کہ چونکہ حضرت مریم پر زنا کی تہمت لگائی گئی تھی اس لئے اُن کی تطہیر قرآن شریف نے اس بیان سے کی ہے اور اس تہمت کو جھوٹا ٹھہرا کر حضرت مریم کو صدیقہ کے لقب سے یاد فرمایا۔ حضرت مریم کی پاکدامنی پر الزام لگایا گیا جیسا کہ اس کے بیٹے کی ولادت پر لگایا گیا تھا اس لئے قرآن شریف نے اسکا ذب کر دیا ایسا ہی اس حدیث کا منشا ہے جسمیں لکھا ہے کہ مریم اور اسکا بیٹا مس شیطان سے پاک ہیں کیونکہ یہودی ماں اور بیٹے دونوں کیطرف شیطانی کام اور شیطانی صفات بہ سبب عداوت کے منسوب کرتے تھے اس لئے ضروری تھا کہ نبی علیہ السلام دونوں کو مس شیطان سے یعنی شیطانی تعلقات سے پاک بیان فرمائے اس حدیث کا منشا بھی صرف رفع اعتراض ہی ہے ورنہ گناہ کرنے یا نہ کرنے سے اسکو کوئی تعلق نہیں ہے۔

گذشتہ دس سال میں مسلمانوں کی ہند میں ترقی ۱۹۰۱ء کی مردم شماری سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ مسلمانوں نے پاس مذہب کے پھیلانے کے ذرایع بہت ہی کم ہیں پھر بھی جو ترقی ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد میں ہوئی ہے وہ ان سب ترقیوں کے مجموعہ سے بہت بڑھکر ہے جو دیگر تمام مذاہب میں ہوئی ہیں مفصلہ ذیل اعداد اسکی تفصیل کرتے ہیں۔ ۱۸۹۱ء سے لیکر ۱۹۰۱ء تک ہندوؤں کی تعداد میں پانچ لاکھ پچاسی ہزار کی کمی ہوئی ہے عیسائیوں

کی تعداد میں چھ لاکھ انتالیس ہزار کی زیادتی ہوئی۔ بدھ مذہب والوں کی تعداد میں تئیس لاکھ پینتالیس ہزار کی زیادتی ہوئی ہے۔ اور سکھوں کی تعداد میں ایک لاکھ ستاسی ہزار چار سو کی ترقی ہوئی ہے اس طرح پر ان تمام مذاہب میں جو زیادتیاں ہوئی ہیں ان کو اگر جمع کیا جاوے تو دس سال میں تمام مذاہب کی ترقی ملک ہندوستان میں بحیثیت مجموعی پچیس لاکھ چھیاسی ہزار چار سو ہوتی ہے جس میں سے مسلمان صرف الگ ہیں اسی عرصہ میں مسلمانوں کی ترقی پچاس لاکھ سے بھی زیادہ ہوئی ہے جو دیگر تمام مذاہب کے مجموعہ ترقی سے دوگنی ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہندوستان کی کل آبادی جو انتیس کروڑ چالیس لاکھ کے قریب ہے اس میں مسلمان صرف چھ کروڑ ساڑھے باراں لاکھ ہیں یعنی کل مردم شماری میں صرف اکیس فیصدی کے قریب۔ یہ حیرت انگیز ترقی مذہب اسلام کی ملک ہند میں بمقابلہ طرح طرح کی رکاوٹوں اور کم سامانیوں کے صرف اسکے اصول کی سادگی اور کشش کے باعث ہے تاہم یہ افسوس کا مقام ہے کہ چھ لاکھ انتالیس ہزار کی ترقی کا جو مذہب عیسائی میں ہوئی ہے کثیر حصہ دوسرے مذاہب سے لیا گیا ہے اور ان میں بہت سے ایسے ہونگے جو اسلام کو چھوڑ کر نصرانیت کیطرف گئے ہیں۔ یہ نتیجہ سچے اصول میں ان اصولوں کے ملا لینے کا ہے جو عیسائیت کے جھوٹے اعتقاد سے جاہل انسانوں کو قریب کر دیتے ہیں کیا یہ سچ نہیں کہ جس زمانہ میں خالص اور سچے اصول مذہب اسلام کے تھے تو لکھوکھا عیسائی اپنے مذہب کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ حالانکہ برعکس اس کے اب یہ حالت ہے کہ مسلمان اپنے سچے مذہب کو چھوڑ کر عیسائیت کے بطلان کیطرف جا رہے ہیں

حضرت مسیح کی قبر

جناب ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ از راہ مہربانی میری اس چٹھی کو اپنے رسالے میں جگہ دیکر ممنون فرماویں۔

کلکتہ کے عیسائی اخبار ایپی فینی مورخہ ۱۱۔ اپریل ۱۹۰۳ء میں ایک گمنام چٹھی چھپی ہے جس میں یہ کوشش کیگئی ہے کہ جو امور حضرت میرزا غلام احمد صاحب نے سرینگر کی قبر کی نسبت شائع کئے ہیں ان کی تردید کیجائے اس چٹھی کے لکھنے والا اکثر امور کو جو میرزا صاحب نے شائع کئے ہیں قبول کرتا ہے اور جہاں وہ حضرت میرزا صاحب سے اختلاف کرتا ہے۔ وہاں

وہ اپنے اختلاف کے لئے کوئی دلیل پیش نہیں کرتا۔ وہ مانتا ہے کہ یہ قبر نبی یوز آسف کی قبر کے نام سے مشہور ہے۔ اس بات کو مانکر پھر بھی وہ یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ یوز آسف کوئی اسلامی ولی تھا۔ جسکو مرے دوسو برس سے زیادہ نہیں ہوئے۔ اسکا یہ نتیجہ صرف طرز عمارت پر مبنی ہے۔ وہ لکھتا ہے اُس قبر کے مصالح اور طرز تعمیر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ عمارت دوسو برس کی ہوگی۔ بلکہ اغلب تو یہ ہے کہ اس سے بھی بہت پیچھے کی ہے۔" اگر ہم مان بھی لیں۔ کہ یہ عمارت دوسو برس سے زیادہ کی نہیں ہے۔ تو کیا اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ کہ یوز آسف کو گذرے صرف دوسو برس ہوئے ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتا۔ کہ قدیمی عمارتوں کی اکثر مرمت کیجاتی ہے اور جب ایک پورانا مکان زمانے کے ہاتھوں سے تباہ ہوجاتا ہے تو اس کی بجائے نئی عمارتیں بنانی پڑتی ہیں۔ صرف یہی امر کہ کشمیر کے مسلمانوں میں یہ شخص نبی کے نام سے مشہور ہے۔ اس خیال کی تردید کیلئے کافی ہے کہ وہ ایک اسلام کا ولی تھا۔ کوئی سمجھدار آدمی یہ خیال نہیں کرے گا۔ کہ جو شخص مسلمانوں میں نبی کے نام سے مشہور ہے۔ وہ ایک مسلمانوں کا ولی تھا۔ اگر ایک مسلمان ولی معجزات بھی دکھائے مسلمان اس کو کبھی نبی کا خطاب نہیں دینگے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ اس لئے یوز آسف کا کشمیر کے مسلمانوں میں نبی کے نام سے مشہور ہونا صاف طور پر ظاہر کرتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ وسلم کے زمانے سے پہلے کا ہے اور جو شخص اس کو ایک مسلمان ولی سمجھتا ہے۔ وہ عام مسلمانوں کے مشہور اعتقادات سے اپنی جہالت کا ثبوت دیتا ہے۔ اس نامنگار کی تردید کیلئے خود اس کی چٹھی کی شہادت کافی ہے۔

اوّل۔ وہ بیان کرتا ہے۔ کہ اس مقام کے لوگ یوز آسف کو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا میں سے سمجھتے ہیں۔ یہ شہادت ظاہر کرتی ہے کہ یوز آسف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا جن میں یوز آسف کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ یہ سب ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذرے ہیں۔ اور کوئی بھی بعد کا نہیں ہے۔

دوم۔ جیساکہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ یوز آسف کا نبی کے نام مشہور ہونا ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذرا ہے۔ ہم کسی ایسے کشمیری نبی کو نہیں جانتے۔ جو دوسو سال کے اندر گذرا ہو۔

سوم۔ یہ نامہ نگار ہمیں خبر دیتا ہے کہ یہ قبر یوز آسف کے مقبرے کے نام سے مشہور ہے یہ شہادت بھی ظاہر کرتی ہے کہ یہ ایک قدیم زمانے کا بنی ہے۔ یہی یوز آسف ہے جو یورپ میں سینٹ جوآزف یا سینٹ جوزافٹ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے متعلق ایک قصہ بھی بنا ہوا ہے۔ سینٹ جوآزف کا قصہ یورپ کو پہلے پہل سینٹ جوہن دمشقی کی ایک یونانی کتاب کے ذریعہ سے پہنچا۔ جو آٹھویں صدی میں لکھی گئی۔ اس قصہ کے اس سے بھی پیشتر کے نسخے ہیں۔ اور یہ بات بڑی قوی ہے۔ کہ یوز آسف پہلی صدی عیسوی میں گذرا ہے یوز آسف کو عیسائیوں نے اپنا ایک ولی مقرر کیا۔ اور اس کے نام کا ایک گرجا شہر پلیرمو جزیرہ سسلی میں اب تک موجود ہے۔ اس کے ولی مقرر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی تعلیم اور مثالیں مسیح کی تعلیم اور مثالوں سے نہایت ہی مشابہ تھیں۔ اور بعض تو بعینہ وہی تھیں۔ اس لئے غلطی سے اس کو مسیح کا شاگرد سمجھا گیا۔ یوز آسف کے قصے کے بعض نسخے بصراحت بیان کرتے ہیں کہ وہ کشمیر میں فوت ہوا۔ یوز آسف کے قصوں میں ممکن ہے کہ بہت سا جھوٹ ملا ہوا ہو مگر ان سے اتنی بات یقیناً ثابت ہوتی ہے کہ یوز آسف کوئی حال کا اسلامی ولی نہیں ہے۔

یہ بے نام نامہ نگار حضرت میرزا صاحب کو بڑی جرأت سے بناوٹ اور جعل کا الزام لگاتا ہے۔ حضرت میرزا صاحب نے اس قبر کی نسبت بعض ایسے امور شائع کئے جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ شخص مسیح ابن مریم تھا جو کشمیر میں آکر فوت ہوا۔ ان کی بعض باتیں تو یہ نامہ نگار مانتا ہے مگر باقی کو یہ محض جھوٹ قرار دیتا ہے۔ یہ شخص بظاہر ایک دیسی عیسائی ہے جو پنجاب کا رہنے والا ہے۔ اس نے بہت ہی ناقص اور نامکمل تحقیقات کی ہے۔ خود اس کی چٹھی سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کی تحقیقات صرف چند ایک آدمیوں تک محدود رہی۔ جو اتفاقاً قبر کے پاس اس وقت موجود تھے۔ اگر یہ حضرت میرزا صاحب کے بیانات کی تردید کرنا چاہتا تھا۔ جو آپ نے بڑی شجاعت کے ساتھ دنیا میں بھی شائع کئے ہیں تو اس کو چاہیے تھا کہ اپنی تحقیقات کے دائرہ کو بہت وسیع کرتا۔ اور اس اہم کام کے لئے بہت سا وقت خرچ کرتا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس دیسی عیسائی نے عمداً اپنی تحقیقات کو وسیع نہیں کیا تا ایسا نہ ہو کہ

سچ کھلجائے۔ اس نے چند مبہم جوابات پر قناعت کرلی۔ جو اسکو اُن لوگوں سے ملے جو اتفاقاً وہاں موجود تھے اگر وہ اپنی تحقیقات کے دائرہ کو وسیع کرتا۔ تو یقیناً اسکو کئی ایسے آدمی ملتے جو اسکو وہ تمام باتیں بتلاتے۔ جو حضرت میرزا صاحب کی تحریروں میں پائی جاتی ہیں۔

اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت میرزا صاحب کا اعلان اپنی نکمی تحقیقات پر مبنی نہیں ہے۔ جیسا کہ اس نے سری نگر میں جاکر کی ہے۔ حضرت میرزا صاحب نے صرف اسی غرض کے واسطے چند آدمی کشمیر بھیجے۔ یہ لوگ اچھے تعلیم یافتہ اور کشمیری زبان سے خوب واقف تھے اُنھوں نے ایک لمبے عرصہ تک وہاں رہ کر بڑے اطمینان کے ساتھ تحقیقات کی۔ نامور اندہ لوگوں کی بے شمار زبانی شہادتوں کے علاوہ اُنھوں نے پانسو آدمیوں کے تحریری بیانات اور دستخط حاصل کئے جنھوں نے ان تمام امور کی شہادت دی۔ جو حضرت میرزا صاحب نے بعد میں عام لوگوں کی واقفیت کے لئے شائع کئے۔ حضرت میرزا صاحب کی اس کامل تحقیقات کے مقابل میں ایک ایسے دیسی عیسائی کی سرسری اور متعصبانہ تحقیقات کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ جس میں اتنی بھی جرأت نہیں کہ اپنے نام کو ہی ظاہر کرے +

سچ تو یہ ہے۔ کہ جتنے امور اس بے نام نامہ نگار نے واقعی طور پر تحقیقات کئے ہیں۔ وہ حضرت میرزا صاحب کے بیانات کے بالکل مطابق ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے۔ کہ حضرت میرزا صاحب نے اس عیسائی نامہ نگار کی نسبت زیادہ امور دریافت کئے ہیں۔ اور زیادہ محنت اٹھائی ہے۔ اس گمنام شخص کی یہ حرکت بہت ہی قابل نفرین ہے۔ کہ اس نے حضرت میرزا صاحب کو جعل اور بناوٹ کا الزام لگایا ہے۔ جن لوگوں سے اس نے دریافت کیا۔ اُنہوں نے صاف شہادت دی کہ یہ یوز آسف کی قبر ہے۔ پھر بھی یہ شخص ایسا نادان ہے کہ حضرت میرزا صاحب کو جعل کا الزام لگاتا ہے۔ اس نے کسی کو ان امور کا انکار کرتے ہوئے نہیں سُنا۔ جو حضرت میرزا صاحب نے اس قبر کے متعلق شائع کئے ہیں۔ اور اگر وہ اُن سے بالصراحت سوال کرتا۔ تو ممکن تھا۔ کہ وہی لوگ حضرت میرزا صاحب کے

بیانات کی تصدیق کرتے۔ اگر یہ اُنھوں نے بالصراحت بیان نہیں کیا۔ کہ یوز آسف ایک شہزادہ تھا۔ جو انیس سو برس ہوئے ایک غیر ملک سے یہاں آیا تھا۔ مگر ان کے بیانات میں کافی شہادت ہے۔ جس سے ان سب امور کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً خود یوز آسف کا نام اس بات کی شہادت ہے کہ وہ شہزادہ تھا۔ یہ نام بہت سی پُرانی کتابوں اور تاریخوں میں مذکور ہے۔ جس میں اسکو بلا اختلاف شہزادہ بیان کیا گیا ہے۔ اسکا غیر ملک سے آنا بھی بدلائل ذیل واضح ہے۔

اوّل۔ یوز آسف ایک ہندی نام نہیں ہے اس لئے جس شخص کا نام ہے وہ ضرور کسی غیر ملک کا باشندہ ہوگا۔

دوم۔ لفظ بنی بھی ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہندوستان کا باشندہ نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ اوتار یا بدھ کے نام سے مشہور ہونا چاہیے تھا۔ لفظ بنی سے اس کا اسرائیلی بنی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ نام کسی اور قوم کے بزرگوں پر اطلاق نہیں پاتا۔

اِن باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نامہ نگار کی چٹھی میں کوئی ایسی بات نہیں جو کہ مرزا صاحب کے بیانات کے مخالف ہو۔ بلکہ اس کی چٹھی حضرت مرزا صاحب کی رائے کی تائید کرتی ہے۔ اور اس لئے اُس نے نہایت ہی بُری حرکت کی ہے کہ میرزا صاحب کو جھوٹا الزام لگایا ہے۔ وہ اپنی چٹھی کے عنوان پر لکھتا ہے یوز آسف کی قبر کی اصلیت۔ مگر ہم تعجب سے دیکھتے ہیں کہ اس چٹھی میں کوئی بھی نئی بات نہیں اُس کی یہ رائے یوز آسف ایک اسلامی ولی تھا۔ جس کو گذرے ہوئے دو سو برس بھی نہیں ہوئے۔ یہ اس کی ایک ذاتی رائے ہے جس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ جو واقعات وہ پیش کرتا ہے وہ میرزا صاحب کی رائے کی تائید کرتے ہیں +

حضرت میرزا صاحب نے اپنے اشتہار میں ایک کتبے کا بھی ذکر کیا ہے یہ شخص اس کے وجود سے ہی انکار کرتا ہے۔ اور بیان کرتا ہے کہ یہ میرزا صاحب کی اپنی ایجاد ہے۔ اس بیچارے نے سری نگر جانے میں بے فائدہ تکلیف اٹھائی اور وہ پوری تحقیقات کرتا تو کبھی ایسی بیہودگی کا مرتکب نہ ہوتا۔ اس کو معلوم

ہونا چاہیئے کہ یہہ کتبہ مسیح کی قبر سے ایک میل کے فاصلہ پر کوہ سلیمان کی چوٹی پر ایک قلعہ کے اندر پڑا ہے۔

وہ بیان کرتا ہے کہ یہ قبر عام طور پر زنگا صاحب کے نام سے مشہور ہے مگر سری نگر میں کوئی قبر اس نام کی موجود نہیں معلوم ہوتا ہے کہ چھپنے میں غلطی ہوئی ہے روضہ کی جگہ رنگہ لکھا گیا (کیونکہ انگریزی حروف میں یہ دونوں لفظ بہت مشابہ ہیں) اس قبر کا نام روضہ بل مشہور ہے۔ روضہ کا لفظ عام طور پر قبروں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بل کشمیری میں اجتماع کی جگہ کو کہتے ہیں اور بھی بہت سے مقامات ہیں جن میں بل کا لفظ آتا ہے مثلاً یار بل۔ تار بل۔ جہابل۔

یہ نامہ نگار بڑی سادگی سے بیان کرتا ہے کہ مسیح کی موت صلیب پر ایک تاریخی واقعہ ہے۔ اگر مسیح علیہ السلام صلیب پر مر گئے تھے تو جب آپ کے پہلو کو برچھی سے چھیدا گیا تو کیوں خون نکل آیا۔ صلیب پر صرف تین گھنٹے لٹکنا موت کا باعث نہیں ہو سکتا تھا۔ جو دو آدمی حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ صلیب پر چڑھائے گئے تھے وہ بالکل زندہ اور پورے ہوش و حواس کے ساتھ اُترے۔ حضرت مسیح علیہ السلام قبر سے نکلے۔ قریباً ایک سو میل کا سفر پیادہ پا کیا۔ لوگوں کی انگلیاں میخوں کے زخموں میں ڈلوا کر اپنے خاکی جسم کا ثبوت دیا۔ حواریوں کے ساتھ ملکر کھایا اور پیا۔ اور مرہم حواریین کے استعمال سے اپنے صلیبی زخموں کا علاج کیا۔ اور اس طرح اپنی اس پیشگوئی کو پورا کیا کہ میں یونسؑ نبی کے معجزہ کے سوائے اور کوئی معجزہ نہیں دکھاؤں گا۔ جس طرح یونسؑ زندہ ہی مچھلی کے پیٹ میں داخل ہوئے اور زندہ ہی نکلے۔ ایسا ہی حضرت مسیح علیہ السلام زندہ قبر میں داخل ہوئے اور زندہ نکلے۔ مگر باوجود اتنی شہادتوں کے یہ سادہ لوح عیسائی کہتا ہے کہ مسیحؑ کی موت صلیب پر ایک تاریخی واقعہ ہے۔

یہ شخص مرہم حواریین کا بڑی حقارت کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔ یہہ مرہم جسکو مرہم عیسیٰ اور مرہم رسل بھی کہتے ہیں۔ کوئی ایسی چیز نہیں جسکا نام آج سنا گیا ہو بلکہ کثیر التعداد قدیمی طبی کتابوں میں مذکور ہے جن میں بالاتفاق بیان

کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں نے آپ کے زخموں کے لئے تیار کی تھی۔ اور ایسی کتابوں کی تعداد ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں تک پہونچی ہوئی ہے صرف تمسخر اور استہزا سے وہ ان طبی کتابوں کی متفق علیہ شہادت کو رد نہیں کر سکتا۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام کے زخم مرہم حواریین کے استعمال سے اچھے ہو گئے تو آپ نے افغانستان اور کشمیر کی طرف رُخ کیا تا بنی اسرائیل کے دس فرقے جو جلاوطن ہو کر ان ملکوں میں آباد ہو گئے تھے آپکی رسالت سے محروم نہ رہیں۔ آخر وفات پائی اور سری نگر کے محلہ خان یار میں آپ مدفون ہوئے۔

جب میں یہ چٹھی لکھ چکا تو اس گمنام نامہ نگار کی بدقسمتی سے مجھے الھلال کا اپریل کا پرچہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ ایک عیسائی پرچہ ہے جو بیروت ملک شام سے نکلتا ہے۔ اس کا ایڈیٹر کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے یوز آسف کی قبر کی نسبت یوں لکھتا ہے۔ وفی حارۃ تسمی الخانہ یار فی ھذہ المدینۃ قبر یسمیہ القشامرۃ قبر النبی یوز اسف یزورہ العوام والخواص وفی بعض کتب التاریخ عندھم ان یوز اسف ھذا کان نبیا من الانبیاء جاء من اقصے البلاد فمات ودفن فی ھذہ المدینۃ فزعم رجل فنجابی ان ھذا النبی ھو المسیح۔ یعنے اس شہر (سری نگر) کے محلہ خانہ یار میں ایک قبر ہے جس کو کشمیر کے لوگ نبی یوز آسف کی قبر کہتے ہیں۔ عوام اور خواص اس قبر کی زیارت کرنے کیلئے آتے ہیں۔ اور بعض کشمیر کی تاریخی کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ یہ یوز آسف ایک نبی تھا جو دور دراز ملک سے آیا۔ یہاں وفات پائی اور اس شہر میں مدفون ہوا۔ اس لئے ایک پنجابی آدمی نے یہ خیال کیا ہے کہ یہ نبی مسیح ہی تھا۔

ایک فاضل عیسائی ایڈیٹر کی یہ شہادت ہمارے عیسائی

نامہ نگار کی چٹھی کی تردید کے لئے کافی ہے۔

شیر علی۔ یکم مئی ۱۹۰۳ء۔

از قادیان دارالامان۔